''مجھے افسوس ہے جو آپ کے ساتھ ہوا۔ مجھے دکھ ہے کہ آپ کے والد آپ کا غم لے کر وقت سے پہلے مر جائیں گے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کی زندگی تباہ ہوئی' بہت صدمہ ہے کہ آپ کبھی اپنی فیملی نہیں بنا پائیں گی' بہت زیادہ ہمدردی ہے کہ آپ کی صحت وقت کے ساتھ بگڑتی چلی جائے گی.... مگر....'' ذرا سا رکا' بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ ''مگر میں فارس غازی ہوں' اور فارس غازی کی اپنی نظر میں اس کی بہت عزت ہے' سو میڈم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹنگ اٹارنی صاحبہ' میں.... معافی.... نہیں مانگوں گا۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

''آپ نے جو کرنا ہے کر لیں' مگر میں معافی نہیں مانگوں گا۔'' کھڑا ہو گیا۔ جھٹکے سے کرتے کا گریبان ٹھیک کیا' آستین پیچھے فولڈ کیا۔ ملاقات ختم! وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی' پرس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

''اسے بتایا کیوں نہیں کہ آپ نے بصیرت صاحب کو یہ سب کہنے کا کہا تھا' اسے نہیں۔ یہ میری غلطی تھی۔'' جب وہ واپس آیا سیل میں دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا تو سلاخوں کے قریب کھڑے احمر نے پوچھا۔ اسے اپنی رہائی کا سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' پلان غارت جانے کا افسوس زیادہ تھا۔ اپنی رہائی والی بات تو مذاق لگی تھی۔

''اور وہ یقین کر لیتی؟''

''کرے یا نہ کرے، بتانا تو چاہیے تھا۔''

''میں ساری زندگی اس کو اپنی صفائیاں نہیں دے سکتا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جیسی ہے اسے رہنے دو۔ اس نے بھی بہت کچھ کھویا ہے۔''

''کم از کم جیل میں تو نہیں ہے وہ۔'' وہ جل کر بولا۔

''قید کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کی قید اور طرح کی ہے۔ اگر اس قید میں اس کا واحد روزن کسی کو الزام دینا اور دیے چلے جانا ہے تو مجھے وہ اس سے نہیں چھیننا چاہیے۔ کم از کم اس کے پاس کوئی ہے تو سہی جس کو وہ الزام دے سکے۔ میرے پاس وہ بھی نہیں اور جب کوئی ایسا نہ ہو

تو انسان خود کو الزام دینے لگتا ہے، سو وہ جیسی ہے، اسے رہنے دو۔'' وہ مدھم آواز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا مگر احمر نفی میں سر ہلاتا بحث کرنے لگا، لیکن اسے سن کون رہا تھا؟

❖❖❖

موت سے گزر کر یہ کیسی زندگی پائی ..... شاخ شاخ ہوتا ہے وار کا گماں یارو

جواہرات کاردار کے کمرے میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ دوپہر میں بھی بند پردوں کے باعث اندھیرا لگتا تھا۔ وہ گردن تلے پھولے پھولے تکیے رکھے، سیاہ ریشمی لحاف میں لیٹی' ویران اور بیمار دکھتی تھی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے' حلقوں سے مزین روئی روئی آنکھیں' میک اپ کے بغیر پیلا کمزور چہرہ۔ وہ تھی بھی سیاہ لباس میں اور ویران آنکھوں سے دیکھ بھی پردوں کی سیاہی کو رہی تھی۔

سعدی سامنے کرسی پہ گھٹنے ملا کر بیٹھا' فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طبیعت پوچھنے آیا تھا مگر وہ سوتی جاگتی کیفیت میں' بالکل بے گانی دکھائی دیتی تھی۔ دواؤں کا اثر شدید تھا۔

''مسز کاردار' اللہ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ وہ آپ کو سنبھال لے گا۔ بھروسہ کر کے دیکھیں اس پہ' آپ کا ہر مسئلہ وہ حل کر دے گا۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا جب کھڑکی کو دیکھتی جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔

''کیا تم نے وہ ڈاکیومینٹری شو دیکھا ہے ''میں غارت گر'' (I , Predator)؟''

وہ بولتے بولتے رکا۔ ذرا سا الجھا۔ وہ نیشنل جیوگرافک یا ڈسکوری وغیرہ کہاں دیکھتا تھا؟ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

''نہیں..... میں دراصل.....''

''اس دن اس کی ایک قسط لگی' وہ مادہ Predators (غارت گروں) کے بارے میں تھی۔ غارت گروں کی ملکہ۔ مادہ چیتا۔ مجھے اس نے بہت رلایا۔ معلوم ہے کیوں؟''

''آپ بتائیں کیوں۔'' وہ نرمی سے آگے ہو کر سننے لگا۔ وہ گردن موڑے کھڑکی کو دیکھتی بولتی جا رہی تھی' گویا اونچا سوچنے کی کیفیت میں ہو۔

''غارت گر جانتے ہو کیا ہوتے ہیں؟ Predators۔ وہ جانور جو اپنے سے کمزور کا شکار کرتے ہیں۔ تم لوگ سمجھتے ہو وہ بھوک مٹانے یا عادت دہرانے کو ایسا کرتے ہیں' مگر نہیں' مادہ چیتا ایسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نر چیتا بے وفا جانور ہے' اپنی مادہ کو اولاد کا تحفہ دے کر چھوڑ جاتا ہے۔ مادہ چیتا اپنے بچوں کو تن تنہا پالتی ہے' اور اس روز میں نے دیکھا' اس شو میں' کہ مادہ غارت گر ہونا کتنا مشکل ہے۔'' پردے پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آواز رندھنے لگی۔ وہ افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ (وہ اپنے غم کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی' اسی لئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی ہیں۔ اسے یہی لگا۔)

''وہ ایک مادہ چیتا تھی اور اس کے دو ننھے بچے تھے' جن کے لئے شکار اسی کو ڈھونڈ کر لانا تھا۔ جانتے ہو' ہر چیتے کا توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے' ایک شکار پکڑنے کے لئے وہ جتنا بھاگتا ہے' اس کے نتیجے میں اس کی توانائی آدھی رہ جاتی ہے۔ وہ بھی اپنے بچوں کو کچھار میں چھوڑ کر شکار پہ نکلتی ہے' گھات لگاتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے۔ اوہ مگر خدا کا نظام۔ ہرن جتنا بھاگ لے' توانائی نہیں کھوتا۔ مگر وہ تیز رفتار مادہ چیتا' ہرن کو دبوچ بھی لیتی ہے' اپنی کچھار میں لے بھی آتی ہے' مگر آدھی تو انائی کھو چکی ہوتی ہے۔ خیر حال ہے' بچے بھوکے ہیں' مگر اس سے قبل کہ وہ ہرن کے لاشے کو کھا سکے' ایک ببر شیر آ جاتا ہے۔ ایک بڑا غارت گر!'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دو آنسو نکل کر گالوں پہ پڑ گئے۔

''شیر غراتا ہے' اور وہ مجبور مادہ پیچھے ہٹ جاتی ہے' اگر ایسا نہیں کرے گی تو شیر اس کے دونوں بچوں پہ جھپٹ پڑے گا اور وہ شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے شیر اس کا شکار کھا جاتا ہے' اور وہ اپنے پنجے چاٹتی رہ جاتی ہے۔'' ستے چہرے کے ساتھ وہ تلخی سے مسکرائی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے اس کہانی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی' صرف مسز کاردار کی حالت غم میں مبتلا کر رہی تھی۔ ہاشم کے ساتھ جو بھی مسئلہ تھا اس کا' اس میں جوابرات کا تو قصور نہ تھا' وہ تو شاید جانتی بھی نہ ہو کہ ہاشم نے وارث کو قتل کروایا تھا۔ اور پھر وہ تو اس کی دوست رہی تھی' وہ اس کے پاس آ کر اکثر بیٹھتا تھا' باتیں کرتا تھا' اس کی حالت سے وہ اور کیا محسوس کرتا۔

''اب اس کی آدھی توانائی ختم ہو چکی ہے' اسے کل لازمی شکار کرنا ہے' نا کرے تو توانائی پوری کرے ورنہ مر جائے گی اور بچے اس کے بعد بھوک سے ہی مر جائیں گے۔'' وہ بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ ''سو اگلے روز وہ پھر نکلتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے' اسے جا دبوچتی ہے' اور اسے گھسیٹ کر ایک تنہا گوشے میں لے آتی ہے' اپنی ساری توانائی وہ لٹا چکی ہے' اگر یہ ہرن بھی کوئی شیر یا بڑا غارت گر لے گیا' تو وہ مر جائے گی' اور سب سے تکلیف دہ بات' آج ہرن نہیں بلکہ ہرن کا بچہ شکار کیا ہے' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسے بچوں کو دے تو اپنے حصے میں چند لقمے ہی آئیں گے' اور وہ مر جائے گی۔ توانائی برابر کرنے کے لیے اسے یہ اکیلے کھانا ہوگا' تو وہ اسے بچوں تک نہیں لے کر جاتی۔ خود کھا لیتی ہے۔'' پلکیں بند کیں۔ آنسو متواتر گر رہے تھے۔

''بچے ابھی بھی بھوکے ہیں۔ اگلے روز وہ پھر شکار کے لئے دوڑتی ہے۔ توانائی کم ہے' کیونکہ کل کا ہرن چھوٹا تھا سو آج وہ ایک بڑا ہرن شکار کرتی ہے۔ بالآخر اب اس کے بچے اور وہ مل کر اسے کھا سکیں گے۔ وہ ہرن کا لاشہ گھسیٹ کر کچھار تک لاتی ہے تو..... تو.....'' اس کی آواز کپکپائی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ ''تو اس کے وہ ننھے جنتو والا نہیں تھے۔ وہ بڑا ہو چکا تھا' کچھ کچھ آدم خور ہو گیا تھا۔

ہیں۔ لگی hyenas کے نرغے میں ہوتے ہیں۔ وہ قریب آتی ہے۔ حملہ نہیں کرتی۔ جھپٹتی بھی نہیں ہے۔ صرف غراتی ہے اور hyena رو پڑتی ہے معلوم ہے کیوں؟ کیونکہ مادہ چیتا کی آنکھوں تلے سیاہ tear lines ہوتی ہیں جو غراتے وقت اسے بہت بارعب اور خوفناک بناتی ہیں۔ اور پھر بانکا بھاگ جاتی ہے اور وہ..... وہ اپنے بچوں کو واپس لے آتی ہے۔ اور تم لوگ..... تم لوگ سمجھتے ہو مادہ چیتا بھوک کے لئے طاقت کے غم میں شکار کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا سعدی۔ کوئی اپنی خوشی سے کسی کا خون نہیں کرتا۔ اپنے بچوں کے لئے اپنی بقاء کے لئے وہ ایسا کرتی ہے۔" اور پھر سر تکیے پہ گرائے اس نے آنکھیں موند لیں۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی افسوس سے لبوں پہ مٹھی رکھے اسے دیکھتا رہا۔

"چاؤ سعدی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے کروٹ بدلی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد جو ابراہیم نے کروٹ بدلی تو ادھ کھلے دروازے سے باہر کا منظر دکھائی دیا۔ سعدی، میری، ہیجو کے ساتھ کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ ان کی باتیں عام نوعیت کی ہیں وہ نہیں جانتی تھی صرف میری کی موجودگی ہی اسے بے چین کرگئی۔ وہ کیا کیا بول گئی سعدی کے سامنے اور جو میری نے کچھ بک دیا تو؟ اگر جو سعدی نے دو جمع دو بائیس بنا لیے تو؟ وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر خواب آور دوا کا اثر گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ ذہن ڈوبتا گیا اور دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

اس سے بےخبر سعدی میری سے اس کے مالک کی تعزیت کر رہا تھا۔

خواہش آرزو ہی سہی حاصل زندگی سہی

حاصل آرزو ہے کیا سوا دام کے سوا

وہ گھر آیا تو سناٹا سا تھا۔ سیم اسکول گیا تھا اور امی غالباً بنے بنے ریسٹورانٹ۔ حنین نے اس کا نام رکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ نام علیشا کے چین سے متاثر شدہ تھا مگر وہ تھی کہاں؟

اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سامنے چند کاغذات پرزہ پرزہ ہوئے پڑے تھے۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں اس کے ویران وجود سے کاغذوں تک گئیں۔ اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ تیزی سے ان پہ جھپٹا۔ ٹکڑوں کو الٹا پلٹا کر دیکھا۔

"یہ کس نے کیا ہے؟ یہ تو تمہارا ایڈمیشن فارم تھا انجینئرنگ یونیورسٹی کے لئے....." پہلا خیال سیم کی طرف گیا تھا۔ وہ بے سکت بیٹھی تھی وہ پریشانی سے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

"حنین..... یہ تم نے کیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے۔" نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جو بستر کی چادر کو تک رہی تھی، آنکھیں اٹھائیں۔ بنا بینک کے وہ چھوٹی لگتی تھیں۔

"میں ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ مجھے نہیں پڑھنا۔" آنسوؤں سے آنکھیں بھر گئیں۔

"حنین بس کرو۔ علیشا نہیں پڑھ سکی تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" اب کے اسے غصہ چڑھا تھا۔

"مجھے نہیں پڑھنا بھائی۔" مگر وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"وہ علیشا اور ہاشم بھائی کا معاملہ تھا تم نے کچھ غلط نہیں کیا تم خود کو مجرم مت سمجھو۔"

"میں مجرم ہوں۔ میں گناہگار ہوں۔" آنسو اس کے گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔

"حنین علیشا کو وہ ملا جو اس نے بویا تھا علیشا نے....."

"کیا علیشا علیشا لگا رکھی ہے آپ نے؟ بھاڑ میں گئی علیشا!" وہ ایک دم اتنی زور کی چلائی کہ سعدی بے اختیار پیچھے ہٹا۔ اس کی آواز درد سے پھٹنے لگی تھی۔ "ہر بات علیشا کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ یہ میں ہوں حنین!" انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دی۔ "یہ میرے گناہ ہیں!" کچھ تھا اس کے انداز میں اس کی آنکھوں میں کہ وہ چونکا۔ پہلی دفعہ اسے لگا کہ وہ علیشا کے لئے اپ سیٹ نہیں ہے۔

''کوئی اور بات ہے پھر؟ کیا ہوا ہے حنہ؟'' قدرے الارمڈ سا ہو کر وہ اس کا چہرہ کھوجنے لگا۔ حنین کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''میں کون ہوں' بھائی؟''

''تم حنہ ہو.... ہمارے گھر کا سب سے پیارا اور ذہین بچہ۔ تم... تم کے کلچر کی دیوانی ہو' اور...'' وہ جلدی جلدی بتانے لگا۔ ''اور تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' تم نے....'' اس کی آخری بات پہ حنین سر گھٹنوں پہ گرا کر رونے لگی۔

''نہیں کیا میں نے ٹاپ۔ نہیں لی میں نے پہلی پوزیشن!''

''حنین کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ پریشانی سے اس کا سر تھپک رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا' گیلی آنکھوں سے بھائی کو دیکھا۔

''میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔ مجھے غارت کر دیا ان کورین ڈراموں اور فلموں نے۔ میں تو اس سال پڑھی بھی نہیں ٹھیک سے۔'' اس کا سر تھپکتا سعدی کا ہاتھ ٹھہرا۔ حیرت سے اس نے حنہ کو دیکھا۔

''کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟''

''میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔''

''پاگل ہو گئی ہو؟ پورا شہر جانتا ہے تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' تم.... تمہارا رزلٹ کارڈ' بورڈ کی تقریب' اخبار میں چھپا رزلٹ' وہ سب سچ تھا۔''

''نہیں تھا وہ سچ۔'' وہ زور سے چیخی۔ ''میں نے چیٹنگ کی تھی۔ سنا آپ نے؟ میں نے پیپرز پہلے سے دیکھ رکھے تھے۔''

اسے گویا بچھو ڈنک مار گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہوا۔ ''کیا بکواس ہے حنہ؟ کوئی چیٹنگ کر کے ٹاپ نہیں کر سکتا.... کوئی پیپرز بھی پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ تم میرے ساتھ.... تم کوئی پرینک کر رہی ہو؟'' اسے اب بھی لگ رہا تھا وہ ایک دم ہنسنا شروع کر دے گی' مگر وہ رو رہی تھی۔

''میں نے دیکھے تھے.... سب پیپرز دیکھے تھے' مجھے معلوم تھا ایگزام میں کیا آنا ہے۔'' مگر وہ اب بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم ہیکنگ میں کتنی اچھی کیوں نہ ہو' تم کسی بورڈ کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتی۔ تم کہہ کیا رہی ہو؟ پیپرز تو بورڈ چیئرمین تک کے پاس نہیں ہوتے' اتنی سخت سیکیورٹی ہوتی ہے۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''پیپر سیٹ کرنے والوں تک کو فائنل پیپر کا علم نہیں ہوتا' بورڈ کا کوئی اہلکار تک پیپرز نہیں دیکھ سکتا سوائے....'' اور یہیں پہ وہ اٹکا۔ بے یقینی سے حنین کو دیکھا۔

''سوائے آفیسر کانفیڈینشل پریس (OCP) کے'' اس نے بھائی کا فقرہ مکمل کیا۔

''تم مذاق کر رہی ہو۔ ہے نا؟'' بالکل دنگ سا کھڑا وہ کپکپاتی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ''اوسی پی ایماندار سے ایماندار شخص کو بنا جاتا ہے۔

معزز' دیانت دار آدمی' کوئی اوسی پی ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے پتہ ہے تمہاری اس دوست کے ابو اوسی پی ہیں' جو اسکول میں تھی تمہارے ساتھ' مگر اوسی پی تمہیں پیپر نہیں دکھا سکتا۔'' وہ اب بھی ذہنی طور پہ یہ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ حنین نے دکھ بھری بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کیا آپ جانتے ہیں' انسان اپنے خاندان کے لئے کس حد تک جا سکتا ہے؟'' اور آنسو پھر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ سعدی بے دم سا بیڈ کے پرلے کنارے پہ بیٹھا۔ حنین سے کافی دور۔ اس کی شل سی نظریں اس پہ جمی تھیں جو اپنے گھٹنوں کو دیکھتی بتا رہی تھی۔

''حمیرا کے ابو اوسی پی ہیں' انہی کی وجہ سے حمیرا ہمارے بورڈ سے امتحان نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ اصول ہے۔ حمیرا میرے پاس

الی۔امتحانوں سے پندرہ دن پہلے' یہ وہ دن تھے جب میں شدید دباؤ میں تھی۔آپ باہر تھے'اور میں سارا دن رات کے ڈرامے دیکھتی' اور پھر یہ ا پ یشن ہوتا کہ پڑھ نہیں رہی' مگر کتابوں میں دل نہیں لگتا تھا۔ایف ایس سی کے فرسٹ ائیر میں قسم سے میں نے واقعی محنت کی تھی' اور بورڈ میں ۱۱ سرے ہائی ایسٹ مارکس تھے میرے۔اب مجھے پوزیشن لینی تھی۔انا تھی یا امی کو خوش کرنا تھا۔وہ کہتیں اگر تم فیل ہوئی تو تمہارا کمپیوٹر بند لروادوں گی۔یہ مائیں غصے میں ہمیں ہماری پیاری چیز سے دور کرنے کی دھمکی کیوں دیتی ہیں ہمیشہ؟'' ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔سر ہلائے وہ بول رہی تھی اور وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

''تب ہی حمیرا میرے پاس آئی۔ساتھ میں اس کے ابو بھی تھے۔میری کمپیوٹر skills کی شہرت دور دور تک تھی۔لڑکیاں کام لے کر الڑ آتی ہیں' میں کبھی کرتی ہوں' کبھی نہیں۔بدلے میں کچھ نہیں لیتی۔بس تعریف بہت ہوتی ہے۔حمیرا کو بھی کام تھا۔اس کی بہن کی محلے کے 'سی لڑکے سے دوستی ہوگئی تھی' لڑکے کے پاس اس کی ویڈیو تھی' ابو نے وہاں شادی سے انکار کر کے ایک معزز گھرانے میں رشتہ کروایا۔مہینے بعد اس کی شادی تھی' مگر وہ لڑکا بلیک میل کرنے لگا۔عین شادی کے روز ویڈیو کی تصاویر بنا کر فنکشن میں بانٹنے گا' یہی کہا تھا اس نے۔حمیرا میرے پاس آئی' درخواست کی کہ اس لڑکے کا سارا کمپیوٹر ڈیٹا مٹا دوں۔کچھ کروں۔تو.....میں نے کہا کہ وہ اپنے ابو کو بھیجے' اکیلے۔اگلی صبح اس کے ابو آئے۔یہیں ڈرائنگ روم میں۔امی اسکول تھیں' میں نے انہیں ادھر بٹھایا' ان کی بات سنی' وہ شرمندہ اور بے بس نظر آتے تھے' بولے کہ میں کیا لرسکتی ہوں؟ تو میں نے کہا....'' اس کے آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا کر دیا۔اور اس دھند میں سے ایک پرانا منظر ابھرنے لگا.....

ان کا ڈرائنگ روم.....صوفے پہ بیٹھے ادھیڑ عمر مگر معزز اور شریف سے فاروق صاحب' اور ان کے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی حنین۔عینک لگائے' بال فرنچ چوٹی میں باندھے وہ سنجیدہ اور پرسکون نظر آرہی تھی۔

''میں اس کا موبائل' اور گھر کے تمام کمپیوٹرز وائرس ڈال کر انفیکٹڈ کر دوں گی۔پھر اس کو پیغام بھیجوں گی کہ جن فلیش اور سی ڈیز میں تم نے وہ سب ڈال کر رکھا ہے' وہ خراب ہو چکی ہیں۔حیران ہو کر وہ ان کو باری باری چیک کرے گا۔یوں ہر شے Infected ہو جائے گی۔

چند گھنٹوں میں اس کا تمام ڈیٹا مٹ جائے گا۔نہ صرف یہ بلکہ میں اس کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کر کے اس میں موجود اس کی بہنوں وغیرہ کی پکچرز لے لوں گی' پھر ان کے ذریعے اس کو بلیک میل کروں گی کہ اگر نازیہ باجی کے بارے میں کسی سے ایک لفظ بھی کہا تو میں اس کی بہنوں کی تصویریں فوٹو شاپ کر کے اسی کے محلے میں بانٹ دوں گی۔اس کے بعد اس کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ نازیہ باجی کو دوبارہ بلیک میل کر سکے۔''

وہ گویا سانس روکے سن رہے تھے۔بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔

''بیٹا آپ یہ سب کر سکتی ہیں؟ واقعی؟ نارمل لوگ تو....''

''میں نارمل نہیں ہوں۔میں حنین ہوں۔'' وہ لمحے بھر کو رکی' ان کی آنکھوں میں دیکھا۔''مگر آپ نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں پکڑی گئی' یہ سائبر کرائم ہے آخر' تو میرا کیا ہوگا؟ بدنام بھی ہوں گی' اور جیل بھی ہوگی۔زندگی تو برباد ہو جائے گی میری' سو اگر آپ کی بیٹی کے لئے میں اتنا کچھ کرنے جا رہی ہوں تو آپ کو بھی میرے لئے کچھ کرنا ہوگا۔''

''جی بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ آگے کو ہوئے۔

''آپ او سی پی ہیں' آپ کے پاس اگلے مہینے ہونے....''

''ایک لفظ بھی اس سے آگے مت بولا۔'' وہ لال سرخ ہوتے ایک دم کھڑے ہو گئے۔''سوچنا بھی مت کہ میں ایسا کچھ کروں گا۔''

''میں بورڈ ٹاپر ہوں' مجھے پیپرز نہ دکھائیں تب بھی دوسری پوزیشن لے لوں گی۔'' وہ بھی ساتھ کھڑی ہوئی' ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے بولی۔''مگر مجھے پہلی لینی ہے' یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔''

''میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔'' انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

''تو پھر کسی اور ایکسپرٹ کے پاس جائیں' اور اس سے کہیں کہ اس لڑکے کا ڈیٹا مٹا دے' مگر.... میرا ڈیٹا کیسے مٹائے گا کوئی؟ آپ شاید بھول رہے ہیں' وہ ویڈیو میرے پاس بھی ہے۔''

فاروق صاحب بے یقینی سے جھٹکا کھا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔

''اور اس وقت بھائی مجھے لگا میں نے اس شخص کو آدھا مار دیا ہے۔ ان کو قائل کرنا آسان نہیں تھا' مگر وہ مجبور ہو گئے۔ میں نے ان کا کام کر دیا اور انہوں نے میرا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ رزلٹ آنے تک نازیہ کی ویڈیو تلف نہیں کروں گی' تاکہ وہ میری مخبری نہ کروا سکیں۔ مجھے پیپرز دے دیے انہوں نے' اور میں نے بورڈ ٹاپ کر لیا۔ مجھے کوئی گلٹ نہیں ہوا۔ رزلٹ والے دن ان کو کال کر کے کہا کہ ویڈیو میں نے تلف کر دی ہے' انہوں نے جواباً کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ اتنے مہینے گزر گئے مگر مجھے ایک دفعہ بھی گلٹ محسوس نہیں ہوا۔ جس نے وارث ماموں کو قتل کیا تھا' اسے بھی شاید ایک دفعہ تو دکھ ہوا ہوگا' میں تو ان سے بھی بری نکلی کہ مجھے تو لگا میں پیپرز دیکھنے بنا بھی دوسری پوزیشن لے سکتی تھی' کوئی جرم نہیں کیا میں نے۔ مگر یہ سچ نہیں تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ یہ سچ نہیں تھا۔ میں اچھے نمبر لے لیتی' مر مر کر میرٹ پہ آ جاتی مگر میں ٹاپ کبھی نہ کر سکتی کیونکہ مجھے ان کورین ڈراموں نے پڑھائی سے دور کر دیا تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ میں کتنی بری ہوں۔ تب بھی میں نے سوچا' میں فاروق صاحب سے معافی مانگ لوں گی' اور بس۔ سو علیشا کے خط کے بعد میں نے ان کے گھر فون کیا' تو ان کی بیٹی نے بتایا' جس دن میرا رزلٹ آیا تھا' اس روز میرا فون سننے کے بعد وہ اسٹڈی ٹیبل پہ گئے' اپنا استعفیٰ لکھا' دستخط کیے اور سر وہیں میز پہ رکھ دیا۔ حمیرا ان کو بلانے گئی مگر تب تک وہ مر چکے تھے۔ وہ مر گئے بھائی۔ برسوں اس نازک عہدے کی دو دھاری تلوار پہ ایمان داری سے چلے تھے' ان کو میں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ میں نے اس شخص کی جان لے لی۔ میں کون ہوں بھائی؟ میں کون ہوں؟'' وہ گھٹنوں پہ سر رکھے' روئے جا رہی تھی۔

اور وہ سامنے' بالکل چپ بیٹھا تھا۔ بہت دیر بعد وہ ذرا سنبھلی۔ سر اٹھایا' ہتھیلی کی پشت سے گیلا چہرہ صاف کیا۔

''میں اب ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ ہر گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو جاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ یہ مت کہنا میں دوبارہ امتحان دے دوں۔ میں ان کتابوں کو دوبارہ کھول بھی نہیں سکتی' پڑھنا تو دور کی بات۔'' وہ ان پرزہ پرزہ کاغذوں کے مزید ٹکڑے کرنے لگی۔ پھر نظریں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ تھا۔

''کچھ تو کہیں۔''

''مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔'' کہتے ہوئے وہ اٹھا، اور بے دم قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ حنین کا سر مزید جھک گیا اور بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے۔۔

❖❖❖

قصرِ کاردار پہ سہ پہر سرما کی ٹھنڈ اور خنکی اندر سموئے اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے' باہر کی روشنی نے سارے لاؤنج کو روشن کر رکھا تھا۔ ملازم کاموں میں لگے آ جا رہے تھے۔ ایسے میں اونچی کھڑکی کے آگے جواہرات کھڑی تھی۔ مغربی طرز کا سیاہ گھٹنوں تک آتا لباس اور سیاہ ٹائیٹس میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے' دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں کہنی پہ مسلسل دستک دیتی' اس کی شیرنی سی آنکھیں باہر جمی تھیں جہاں سبزہ زار پہ سعدی چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔

آج اورنگزیب کی وفات کو ساتواں روز تھا اور اس دوران وہ کئی دفعہ جواہرات کا حال پوچھنے آ چکا تھا۔ مگر اس آخری ملاقات میں' وہ جواہرات کا اس کے سامنے اول فول بول دینا، وہ اس کا میری سے بات کرنا' وہ جواہرات کو ابھی تک چبھ رہا تھا۔

اور پھر اس کی تیکھی نظروں میں مزید ناگواری ابھری۔ سبزہ زار پہ چل کر آتا سعدی درمیان میں رکا۔ میری جوڑے اٹھائے گزر رہی تھی'

ا ں نے مخاطب کرنے پہ رک کر اس سے بات کرنے لگی۔ جواہرات کو الفاظ اتنی دور سے سنائی نہیں دے رہے تھے' مگر اس کی بے چینی بڑھتی جا ا تھی۔

''کیا اس کو اپنے گھر میں چین نہیں جو روز چلا آتا ہے۔'' عقب میں نوشیرواں نے کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے ا انا گواری سے کھڑکی کے پار سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب مجھے برا بھلا مت کہیے گا کہ میں نے آپ کے دوست کی شان میں گستاخی کر دی۔'' ساتھ ہی اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ ا ا یہ کہ وہ ڈانٹ سننے کے موڈ میں نہیں ہے۔ جواہرات چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔ نیچے کھڑے سعدی اور میری اینجیو ا ر مو گفتگو تھے۔ میری کچھ کہے یا نہیں، جو وہ اس دن خود اتنا کچھ کہہ چکی، وہ بھی خطرناک تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو' اسے یہاں ہر وقت نہیں آنا چاہیے۔ تو پھر کیوں نا اس کا اس گھر میں داخلہ بند کر دوں؟'' چمکتی ہوئی آنکھوں ے ملراتی وہ شیرو کی طرف گھومی۔ سات دن بعد وہ بالآخر سنبھلی ہوئی، پرانی والی جواہرات لگ رہی تھی۔

نوشیرواں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''آپ کیا کریں گی؟''

''جو میں کروں گی' وہ تمہارے بھائی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھے؟''

نوشیرواں کو چند لمحے لگے اس کا مطلب سمجھنے میں' اور پھر اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ ''سمجھ گیا۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ ایڑھیوں پہ گھومی اور تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی گئی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ شیرو تیزی سے پیچھے لپکا۔

❖❖❖

باب10:

# عقد

وہ خائن وقت کی کچھ بے دیانت ساعتیں ہوں گی
میرے اندر کا ''میں'' محبوس کر ڈالا گیا پُر ہول زنداں میں!
بڑا ہی لاابالی وقت تھا
جو ہو گیا ایک مشتعل بچہ!
درِ زنداں میں مقفل کر کے چابی قلزمِ لولاک میں پھینکی
کہیں تو وسعتِ افلاک میں پھینکی
وہ چابی اب نہیں ملتی!
مقفل در نہیں کھلتا!
مجھے تو خود سے ملنا تھا۔۔
میں کب تک وسعتِ افلاک چھانوں گا؟
کہاں تک دھند میں کھوئے ہوئے آفاق چھانوں گا؟
(سید نصیر شاہ)

سبزہ زار پہ میری ایجنیو کھڑی ابھی تک سعدی سے بات کر رہی تھی۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے چلتی قریب آئی تو آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

''میرا خیال ہے' بلکہ جتنا تمہارے بیٹے کے کینسر کو میں نے ریسرچ کیا ہے' وہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ بیماری کا جلد علم ہو جانا تو اچھی بات.....'' وہ اسے تسلی دیتے مڑا تو جواہرات اور شیرو چلتے ہوئے آتے دکھائی دیے۔ سعدی نرمی سے مسکرایا اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''مسز کاردار' آپ کو پہلے سے بہتر دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''ان دنوں میں اتنی دفعہ دیکھ چکے ہو' فرق تو نظر آیا ہوگا۔'' وہ بظاہر مسکرائی اور عین اس کے سامنے آرکی۔ سعدی کو.... کچھ محسوس ہوا۔ نگاہیں جواہرات کے کندھے کے پیچھے شیرو تک گئیں جو تنفر سے اسے گھور رہا تھا۔

''پوچھ سکتی ہوں میری ملازمہ سے کیا بات ہو رہی تھی؟'' وہ اب بھی مسکرا رہی تھی مگر آنکھوں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر باہر کو

آتی تھیں۔

''میری نے مجھے بتایا تھا اپنے بیٹے کے کینسر کے بارے میں۔ میں نے اس کو انٹرنیٹ پہ سرچ کیا تو....''

''یہ ہاشم کو بتانے والے مسئلے ہیں میری ایجنیو' یا گھر آنے والے ہر دوسرے شخص کو؟'' مسکراتی مگر سلگتی آنکھوں سے میری کو گھورا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑا۔ وہ سوری کہتی' ندامت سے سر جھکائے الٹے قدموں مڑ گئی۔ سعدی کی مسکراہٹ سمٹی۔ اچنبھے سے جواہرات کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری' مسز کاردار' میں آپ کی خیریت پوچھنے آیا تھا' اور....''

''خیریت پوچھنے یا یہ معلوم کرنے کہ اورنگزیب وصیت میں تمہاری بہن کے نام کچھ چھوڑ کر تو نہیں گئے؟''

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ''جی؟'' اس نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''میرے بیٹے کے خلاف اس کے باپ کے کان بھرتے وقت تمہاری بہن نے ذرا احساس نہیں کیا کہ یہ صدمہ اورنگزیب کی جان لے سکتا ہے؟ بلکہ صرف وہی کیوں' تم دونوں شامل تھے نا اس ڈرامے میں! کیا سوچا تھا؟ اپنے بیٹے کو ڈس اون کر کے اپنی جائیداد تم لوگوں کے نام لکھ جائے گا وہ؟'' مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی، مگر آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

''مسز کاردار' آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' سعدی نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔ جواہرات کی آنکھوں کی رگیں گلابی پڑنے لگیں۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ دو قدم مزید آگے آئی۔

''کیا تھا اگر تم دونوں اورنگزیب کے بجائے مجھے یا ہاشم کو تنہائی میں وہ سب بتا دیتے' مگر تم نے ذرا اس شخص کا احساس نہیں کیا؟ اس کو اندر ہی اندر یہ غم کھا گیا سعدی، اور وہ اس حالت میں مرا کہ اپنے بیٹے سے ناراض تھا' اور اس سب کے ذمہ دار تم ہو۔'' اس بات پہ سعدی نے فوراً سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی ہاں' بالکل' اپنے آپ کو اغوا بھی میں نے کیا تھا اور جھوٹ بول کر باپ سے پیسے بھی میں نے مانگے تھے نا۔'' وہ تنے ابرو کے ساتھ ناگواری سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

''اے.... میرے باپ کا نام بھی نہ لینا۔'' نوشیرواں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''تم لوگوں نے ان کو میرے خلاف ورغلایا تھا' اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''میں معافی مانگ بھی نہیں رہا۔ میں صرف مسز کاردار کی طبیعت پوچھنے آیا تھا۔'' وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

''میری طبیعت دیکھ لی تم نے؟ میرا شوہر اس حالت میں مرا کہ وہ شیرو کو ڈس اون کرنے والا تھا۔ دیکھ لیا ہم کتنی اذیت میں ہیں؟''

نوشیرواں نے قدرے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھتی تکلیف اور برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''اس سے پہلے بھی تم شیرو کی زندگی تنگ کرتے رہے ہو' مگر اس دفعہ تم لوگوں نے حد کر دی سعدی!'' یہ آخری فقرہ شیرو کو دیکھ کر ادا کیا جس پہ اس کا غصہ مزید بڑھا' اور اس نے نفرت سے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

سعدی نے ایک ناپسندیدہ نظر دونوں پہ ڈالی۔ سر کو خم دیا (بہت اچھا)۔ دو قدم پیچھے ہٹا' اور پھر نوشیرواں کو مخاطب کیا۔

''تم نے کبھی وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں نوشیرواں جو سڑک کنارے نصب ہوتے ہیں۔ ان پہ لکھا ہوتا ہے' Use Me۔ تم نے بھی خود پہ یہی حروف لکھوا رکھے ہیں۔ جو بھی آئے' اپنا کچرہ صاف کرنے کے لئے تمہیں استعمال کرے (جواہرات پہ تیز نظر ڈالی) اور چلا جائے۔ سو میں مزید آپ کی ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اللہ حافظ۔''

وہ مڑا اور مخالف سمت چلتا گیا' اور جب تک نوشیرواں کو اس کا طنز سمجھ آیا' وہ دور جا چکا تھا۔

''الو کا۔۔۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ ''اگر یہ دوبارہ ادھر آیا نا ممی تو۔۔۔''

''اگر غیرت ہوگی تو دوبارہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا' اور اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ غیرت والوں میں سب سے زیادہ غیرت والا ہے۔''

جواہرات اذیت سے مسکراتی، اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ نوشیرواں کے اندر کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی۔ ڈھیلے پڑتے ہوئے اس نے گہری سانس لی اور مڑنے لگا' پھر یکا یک رکا۔

''وہ آپ نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کہا تھا نا؟ ڈیڈ مجھے ڈس اون تو نہیں کرنے لگے تھے نا؟'' جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا جو قدرے تذبذب مگر امید سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جواہرات کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' آنکھوں کی سفیدی گلابی پڑی۔ نم گلابی۔

''نہیں' وہ تمہیں.... تمہیں کبھی ڈس اون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میں نے صرف.... بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کہا تھا۔'' اثبات میں سر ہلا کر تصدیق کی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ نوشیرواں پرسکون سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ہاتھوں کی نمی چھپانے کے لئے مٹھیاں بند کر لیں۔ پھر گردن موڑ کر برآمدے میں کھڑی میری کو دیکھا۔ اس کا کیا کرے؟ اصل گواہ جو خود بھی اپنی گواہی سے لاعلم تھا، وہ تو ابھی ادھر ہی تھا۔

❖❖❖

ترکِ تعلقات کوئی مسئلہ نہیں ..... یہ تو وہ راستہ ہے کہ بس چل پڑے کوئی

سعدی سرخ کانوں اور تنے تاثرات کے ساتھ قصر کاردار کے داخلی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا' تا کہ اپنی کار تک جائے کہ سامنے سے زمر کی کار آتی دکھائی دی۔ وہ قدم قدم چلتا سڑک پہ جا کھڑا ہوا۔

پہاڑی پہ بل کھاتی سڑک ویران تھی۔ اردگرد کوسوں کے فاصلے پہ اونچے محلات تھے' جو کاردارز کے قصر کی مانند وسیع سبزہ زار میں گھرے تھے سو اس سڑک سے آس پاس کی محض دیواریں دکھائی دیتی تھیں۔ زمر نے کار وہیں روک دی۔ اسے اشارہ کیا۔ وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھا۔

''آپ ادھر کیسے؟''

''جنازے کے بعد دوبارہ آ نہیں سکی' سو اب مسز کاردار کے لئے آئی تھی۔ وہ ہسپتال میں مجھے وزٹ کرنے اکثر آتی تھیں' میرا آنا بنتا ہے۔'' خشک' سپاٹ انداز میں' ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے وضاحت دی۔ سعدی نے ڈیش بورڈ پہ نظریں جمائے انتظار کیا' کہ وہ شاید کہے (جب تم میرے پاس نہیں تھے' تب وہ آتی تھیں) مگر وہ گلہ ہی تو نہیں کرتی تھی۔

''اور تم ادھر کیسے؟'' چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تو سعدی نے بھی اس کی جانب گردن پھیری۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے عہد کر رکھا تھا کہ دل کی بات نہیں کہنی۔

''مسز کاردار کو دیکھنے آیا تھا اور اب اچھے سے دیکھ چکا ہوں۔ سو واپسی کے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔''

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر نرمی سے کہنے لگی۔

''میں نے معلوم کیا تھا' ہاشم اس کیس میں ملوث نہیں ہے۔' کم از کم بظاہر تو نہیں ہے۔''

''خود معلوم کیا یا کسی اور نے کر کے دیا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا کیونکہ اس کے نزدیک دونوں میں اتنا فرق تھا جتنا پہلے اور ساتویں آسمان میں۔

''خود نہیں کیا مگر...'' وہ رکی ''بصیرت صاحب نے اسے چیک کیا تھا' اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس معاملے سے' مگر تم بتاؤ' تمہیں

ایسا کیوں لگا کہ ہاشم اس میں ملوث ہوسکتا ہے؟''

''مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگا۔ بس جس کا نام منہ میں آیا بول گیا۔ آئی ایم سوری' مجھے یوں کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔'' اس نے سادگی سے معذرت کرلی۔ زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

''تم نے اس کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی' میں اتنے دن اس کی پوچھ گچھ کرواتی پھر رہی تھی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نے یونہی کہہ دیا تھا؟'' شدید غصے کو بمشکل اس نے ضبط کیا۔ تو وہ سارے دن جو اس نے فارس کے حق میں کوئی بھی بات ڈھونڈنے میں صرف کیے، وہ سب ایک مذاق تھا؟

''مجھے سمجھ نہیں آیا کس کا نام لوں۔ بس ان کا لے لیا۔ یہ لوگ...'' انگلی سے کاردار قصر کی جانب اشارہ کیا۔ ''اب میرے ساتھ پہلے کی طرح برتاؤ نہیں کرتے۔ مجھے شاید اسی بات کا غصہ تھا۔'' وہ بمشکل ضبط کرتی اسے گھورتی رہی۔ اس نے ندامت سے سر جھکا دیا۔ ہلکا سا بولا۔ ''سوری!''

''اور تم نے ہاشم سے یہ کیوں کہا کہ وہ آڈیو میں نے نکلوا کر دی تھی؟'' سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''یعنی انہوں نے آپ سے پوچھا؟ تو پھر کیا کہا آپ نے؟''

''جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔''

''معلوم ہے۔ تب ہی یہ کہا تھا۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا جیسے اس نے سوچا تھا۔

''میں ان سے خفا تھا' کیونکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح فارس ماموں کو قاتل خیال کرتے ہیں' اور اب چونکہ میں ماموں کے لئے کوشش کر رہا ہوں تو وہ مجھ سے خفا ہیں۔ مگر مجھے اچھا لگا کہ آپ نے میرا مان رکھا۔ اور آپ ماموں سے ملنے جیل گئیں، اس کے لیے شکریہ۔''

''کیا تمہارے ماموں نے تمہیں یہ بتایا کہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی؟''

سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''کیا مطلب؟''

زمر نے محض چند فقرے تفصیل بتانے پہ ضائع کیے جس کے بعد سعدی کی رنگت زرد پڑتی چلی گئی۔

''آئی ایم شیور پھپھو کوئی غلط فہمی ہوگی ورنہ وہ کبھی ایسے نہیں کر سکتے۔ میں ان سے...''

''سعدی میں تھک گئی ہوں!'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو بولنے سے روکا۔ ''میں نے اس کیس سے بھی خود کو الگ کر لیا ہے۔ میں مزید فارس کے مسئلوں میں نہیں الجھنا چاہتی۔ پھر بھی میں دوبارہ الجھی۔ اتنے دن میں نے پہلی دفعہ فرض کرنا شروع کیا کہ وہ بے گناہ ہوسکتا ہے، مگر اس نے پھر وہی کام کیا۔ مجھے مزید مت سمجھاؤ۔ اپنے ماموں کو سمجھاؤ کہ خدارا اپنے اور دوسروں کے اوپر رحم کرے۔ مجھے مزید مت ستائے۔ میں نے اس کا کیس خود پر اسیکیوٹ نہیں کیا، میں اب گواہی بھی واپس لے چکی ہوں، اور کیا چاہتے ہو تم لوگ مجھ سے؟ جب میرا دل کہتا ہے کہ وہی میرا مجرم ہے تو مجھے زبردستی اس کو بے گناہ کہنے پہ مجبور مت کرو۔ میں نے کوشش کی تھی، میں ہر چیز ایک طرف رکھ کر اس کے پاس گئی۔ اس کے لیے ہاشم کو بھی مشتبہ بنا لیا۔ مگر اس نے پھر وہی کیا۔''

وہ کتنی ہی دیر چپ بیٹھا رہا۔ سر جھکائے۔ پھر آہستہ سے بولا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف کا اندازہ کرنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف ہم میں سے سب سے زیادہ ہے۔ وہ جیل سے چھوٹ جائیں، تب بھی نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں، آپ نہیں شروع کر سکتیں۔ کم از کم اتنے آرام سے نہیں۔ آئی ایم سوری۔ اب ہم اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ لیکن۔۔'' اس نے چہرہ اٹھا کر امید سے زمر کو دیکھا۔ ''مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ ایک دن میں آؤں گا آپ کے پاس ثبوت لے کر' تب آپ کو مجھے سننا ہوگا' اور اگر وہ ثبوت قابلِ قبول ہوا

تو اسے ماننا بھی ہوگا۔''

''شیور!'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔''میں تو تم سے ہمیشہ کہتی رہی ہوں، مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو میں مان بھی سکوں۔تو میں ضرور مان لوں گی۔'' پھر وہ چپ ہوگئی۔''سعدی میں تم سے پھر کہہ رہی ہوں، اگر کوئی ایسی بات ہے جو فارس کے حق میں جاتی ہو، تو مجھے بتاؤ۔میں ایک دفعہ پھر اس کی یہ حرکت بھی نظر انداز کر کے اس کے لیے کوشش کرنے کو تیار ہوں۔اگر کوئی تیسرا شخص ملوث ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''نہیں پھپھو۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔''کوئی ایسی بات نہیں ہے۔آپ جو سوچتی ہیں، ابھی وہی سوچتی رہیں۔کچھ ملا مجھے تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔آپ بس اپنا خیال رکھیں۔''

''میرے لیے افسردہ مت ہو بیٹا، میں ٹھیک ہوں۔'' اس سے نگاہ ملائے بنا وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔وہ کچھ دیر اس کا چہرہ تکتا رہا۔

''آپ کی برتھ ڈے ہے اگلے مہینے، میں نے ایک کتاب آپ کے لیے رکھی ہے۔کبھی وقت ملے تو اسے پڑھیے گا۔اس میں دل کی بیماریوں کی شفا ہے۔'' خاموشی دوبارہ دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔پھر زمر نے اسے دیکھا، وہ ہنوز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔زمر کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہاتھوں پہ پھسلیں اور سیاہ کی چین پہ آٹھہریں جو اس نے انگلیوں میں پکڑ رکھا تھا۔اس پہ سنہرے حروف میں لکھا تھا'' Ants Everafter''

''نیا لیا ہے؟'' گو کہ اب وہ تعلق نہیں رہا تھا' نہ بے تکلفی' مگر وہ پوچھ بیٹھی۔اس نے جواباً گردن جھکا کر کی چین کو دیکھا۔نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔علیشا نے حنین کو دیا تھا۔حنین کے لئے اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہیں' سو یہ میں نے رکھ لیا۔آج صبح گھر سے نکلنے سے پہلے یونہی حنہ کے کمرے میں گیا اور اٹھا لایا۔'' سیاہ ہیرے نما پتھر پہ انگلی پھیرتے وہ کہہ رہا تھا۔''مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔بالخصوص یہ عبارت۔''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' اس کی آواز میں قدرے نرمی در آئی تھی۔پوچھتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔کیا یہ وہی بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا؟

''جب میں چھوٹا تھا پھپھو' تو ابو کے ساتھ فجر پڑھنے مسجد جایا کرتا تھا۔تب وہاں مسجد کی دیوار پہ چھت سے فرش تک چیونٹیوں کی قطار ہوتی تھی۔ہر موسم میں' ہر گھڑی میں۔تب ابو کہا کرتے تھے' اگر مجھے کچھ ہو جائے سعدی تو تم اپنے خاندان کا خیال رکھنا۔بڑے ابا ایک کمزور مرد ہیں مگر تمہیں بہادر بننا ہے۔تم سعدی میرے بعد اس خاندان کے بڑے مرد ہو گے۔اور تمہارے خاندان کی عورتیں' بوڑھے اور بچے' یہ سب چیونٹیوں کی طرح ہیں، کمزور اور نازک۔اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں' بادشاہ اور چیونٹیاں۔تم سعدی اپنی چیونٹیوں کو جوڑ کر رکھنا۔تم سعدی میرے بعد اپنے خاندان کے سربراہ ہو گے۔'' کی چین سے نظریں اٹھا کر اس نے اداس مسکراہٹ سے زمر کو دیکھا۔''اور میں پچھلے کئی برس سے یہی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اور کرتا رہوں گا۔آپ' حنہ' امی' سب ایک جیسے ہیں۔چیونٹیاں' اور معلوم ہے پھپھو' چیونٹیوں میں کیا قدر مشترک ہوتی ہے؟''

وہ کتنا پیارا بولتا تھا، معصوم اور سادہ۔نگاہیں اس پہ جمائے زمر نے نفی میں سر ہلایا۔وہ اس کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔

''وہ یہ کہ.....ساری چیونٹیاں اندھی ہوتی ہیں۔'' اور پھر اس نے لاک کھولا' دروازہ وا کیا اور سلام کہہ کر باہر نکل گیا۔زمر اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے کتنی دیر وہیں بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہی۔لمحے بھر کو اس کا دل چاہا کہ اسے روک لے، مگر۔۔روکنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں تھا۔

اگلے ڈیڑھ سال تک اس نے سعدی کو نہیں دیکھا۔نہ وہ اس کی موجودگی میں آیا' نہ وہ ان کے گھر گئی یہاں تک کہ ہاشم نے ایک روز

آ کر اس سے کہا کہ وہ سعدی کو سونی کی سالگرہ کا کارڈ دے آئے.....اور چار سال بعد زمر کو وہ بہانہ مل ہی گیا جس کی لاشعوری طور پہ اسے تلاش تھی۔

.....❖❖❖.....

شوق اپنے بھی کیا نرالے ہیں ..... آستینوں میں سانپ پالے ہیں

جس وقت زمر اور سعدی باہر کار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، قصر کے اندر اپنے کمرے میں اونچی کرسی پہ بیٹھی جواہرات انگلی کی انگوٹھی گھماتے سوچ میں محو تھی۔ کمرے کے کھلے دروازے سے لاؤنج میں نئی فلپینو لڑکی فیونا بکٹ اور موپ لئے سیڑھیاں صاف کرتی نظر آ رہی تھی۔

دفعتاً جواہرات نے موبائل نکالا اور ایک نمبر ملا کر اٹھی، دروازہ بند کیا اور پھر فون کان سے لگایا۔

''جی ڈاکٹر آفتاب۔ کیا حال ہیں؟ فیملی کیسی ہے آپ کی؟''

''سب....ٹھیک ہیں مسز کاردار ہیں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ پھیکا سا مسکرا کر بولے۔

''ہوں۔ ایم فائن۔'' نخوت سے بولی، ذرا وقفہ دیا۔ ''پوسٹ مارٹم رپورٹ پڑھ لی تھی میں نے۔ میں مطمئن ہوں۔ اب آپ مجھے بتائیں، کیا کوئی غیر مطمئن تو نہیں؟''

''نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو رکے۔ ''ہاشم نے اور ان کے سیکیورٹی آفیسر خاور نے، ان دونوں نے مجھ سے پوچھا تھا، اورنگزیب صاحب کے چہرے کے بارے میں۔''

''کیا پوچھا تھا؟'' اس کا سانس رک گیا۔

''کاردار صاحب کی موت سر کی چوٹ کی وجہ سے نہیں ہوئی، دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسمو درنگ کے باعث ناک اور اس کے اطراف کا حصہ کافی سفید سا پڑ گیا تھا۔''

''تو آپ نے کیا کہا؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہی کہ کاردار صاحب کا ایستھما بگڑا تھا، وہ اسی وجہ سے گرے تھے اور چوٹ لگی، موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ وہ دونوں ڈاکٹرز نہیں ہیں، مطمئن ہو گئے تھے کیونکہ بہر حال کاردار صاحب کو شدید دمہ تو تھا ہی۔ ویسے بھی homicidal smothering کی تشخیص بہت مشکل سے ہو پاتی ہے۔ سو میں نے وہ بات سنبھال لی تھی۔ یہ ایک طبعی موت تھی۔''

جواہرات کی انکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند معمول کی باتیں کہہ کر فون رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فیونا صفائی کرتی اب آخری زینے تک آ چکی تھی۔ جواہرات نے اسے ہلکے سے آواز دی۔ وہ چیزیں رکھ کر مؤدب سی چلی آئی۔

''ٹھنڈ آ رہی ہے، دروازہ بند کر دو۔'' وہ واپس کرسی پہ آن بیٹھی اور مسکراتی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ فیونا سبک رفتاری سے دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جواہرات نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ بالوں کی پونی بنائے، پھینے چینی نقوش والی خوش شکل اور کم عمر لڑکی تھی۔

''کام میں دل لگ گیا ہے تمہارا؟''

''جی۔ میری ایجنسی نے سب سکھا دیا ہے مجھے۔'' قدرے شرما کر بولی۔

''ہوں۔ پیچھے گھر میں کون ہوتا ہے تمہارے؟''

''ماں اور چار بہنیں، ایک بھائی۔ میں سب سے بڑی ہوں۔'' سر جھکائے اس نے لب کچلے۔ آنکھوں میں نمی آئی۔

''تمہاری تنخواہ سے ان کا گزر بسر اچھا ہوتا ہو گا مگر بھائی کو پڑھانا، عزت دار نوکری دلوانا، یہ سب تو مشکل ہو گا، ہوں؟'' وہ ائیر رنگ پہ

انگلی پھیرتی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔فیونا نے جھکے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''یہ تو ہے۔''

''کاش میں تمہاری تنخواہ بڑھا سکتی' مگر میری ایجیو ہیڈ اسٹاف ہے اور تم صرف ایک ماتحت میڈ۔ہاں اگر تم میری ایجیو کی جگہ ہوتی تو لاکھوں میں کھیلتی' لیکن....''فیونا نے جھکی پلکیں اٹھائیں۔امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے اسے دیکھا۔

''لیکن؟''

''اس کی پوزیشن پہ پہنچنے میں تو تمہیں سات آٹھ سال لگ جائیں گے۔اس کا اگلے تین سال تک کا معاہدہ رہتا ہے ہمارے خاندان سے۔اور اس کی رو سے میں اسے بے وجہ نکال نہیں سکتی۔''وہ رکی۔

فیونا نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔''جی' وہ بہت اچھا کام کرتی ہے۔''

''مگر وہ تمہاری طرح تیز اور پھرتیلی نہیں ہے۔اس کو اپنے بچے کی فکر کھائے جاتی ہے جس کو وہ فلپائن میں چھوڑ آئی ہے۔تم اس سے بہتر ہیڈ اسٹاف بن سکتی ہو۔''

''مگر....یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ اگلے کئی سال تک اسی پوسٹ پہ رہے گی اور آپ اسے نکال بھی نہیں سکتیں۔''قدرے مایوسی اور بے دلی سے کہتے اس کی آنکھیں پھر جھکیں۔

''میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اسے نکال نہیں سکتی۔چاہوں تو ابھی نکال دوں۔کھڑے کھڑے....مگر اس کے لئے وجہ کا ہونا ضروری ہے۔''

''وجہ؟''فیونا نے چونک کر اسے دیکھا۔الجھن سے ابرو سکیڑے۔

''ہاں۔جیسے چوری۔''ائیرنگ کو دو انگلیوں سے مسلتے وہ مسکرائی۔

''جس دن اس نے چوری کی' وہ ڈی پورٹ کر دی جائے گی۔اور مجھے معلوم ہے وہ جلد یا بدیر چوری ضرور کرے گی۔اسے اپنے بچے کے علاج کے لئے پیسے درکار ہیں' تنخواہ سے بھی کئی گنا زیادہ۔جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ یہ باکس.....''سنگھار میز پہ رکھے ننھے سے جیولری باکس کی جانب اشارہ کیا....''جس کا کوڈ میری تاریخ پیدائش سے کھلتا ہے' اور اس میں میرا ایک قیمتی نیکلیس رکھا ہے تو کیا وہ خود کو روک پائے گی؟اسے اس بارے میں سوچنا چاہیئے، ہے نا۔۔فی اونا؟''ٹھہر ٹھہر کر مسکرا کر اس کا نام ادا کیا۔

زمر کے آنے پہ جب فیونا مسز کاردار کے کمرے سے نکلی تو اس کی آنکھیں ایک انوکھے خیال سے چمک رہی تھیں۔

.....❖❖❖.....

جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں ..... یہ جو زہر خند سلام تھے مجھے کھا گئے

ہاشم کاردار کا آفس جس فلور پہ تھا' اس کی راہداری سپاٹ لائیٹس سے جگمگا رہی تھی جب سعدی کی لفٹ کا دروازہ کھلا۔نکلنے سے قبل اس نے لفٹ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا، ذرا رکا، گریبان کا اوپری بٹن کھولا، سوئیٹر کے آستین پیچھے چڑھائے، ماتھے پہ ہاتھ مار کر بال ذرا بکھیرے، پھر باہر نکلا۔تیز قدموں سے راہداری پار کی۔لمحے بھر کو ہاشم کے آفس کے باہر بنے ڈیسک پہ رکا۔

''ہاشم اندر ہیں؟مس حلیمہ؟''ڈیسک پہ لگی نیم پلیٹ پہ نظر ڈال کر سنجیدگی سے پوچھا۔خوبصورت سی سیکرٹری نے ٹائپ کرتے ہاتھ روکے' اور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی' مگر وہ کچھ کام کر رہے ہیں۔آپ کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟''

''ضرورت نہیں ہے۔''تلخی سے کہہ کر وہ آفس ڈور تک آیا اور دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔حلیمہ ہڑبڑا کر پیچھے لپکی۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''بہت غصے سے وہ اس کی میز تک جا پہنچا۔ہاشم' جو کوٹ پیچھے لٹکائے' شرٹ اور ویسٹ میں ملبوس

بیٹھا فائل پہ کچھ لکھ رہا تھا' اس نے سر اٹھا کر سے دیکھا' پھر پیچھے آتی حلیمہ کو' اور آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ رکی اور پھر پلٹ گئی۔ سیٹ پہ پیچھے کو ٹیک لگاتے' اس نے اب سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا جو غصیلی آنکھوں اور سرخ کانوں کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' بنا کسی غصے یا تلخی کے بھی ہاشم بولا تو آواز سخت تھی۔ اسے سعدی کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

''یہ تو آپ بتائیں گے۔'' دونوں ہاتھ میز پہ رکھے وہ سامنے کو جھکا۔ ''زمر کو کیوں بتایا جو نین نے آپ کو بتایا تھا؟''

''اتنی کیا بڑی قیامت آ گئی ہے سعدی کہ تم اپنے مینرز بھول گئے ہو؟'' اب کے اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ قلم میز پہ ڈالا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' ٹیک لگائے اس لڑکے کو دیکھا۔

''لعنت بھیجتا ہوں میں مینرز پہ۔ مگر آپ کے مینرز کہاں ہوئے جب حنہ اور میرا اعتماد توڑا؟''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ زمر تم لوگوں کے لئے غیر ہے۔ بتانے کا شکریہ۔ اب میں کام کر لوں؟'' تلخی سے اس کو گھورتے سامنے فائلوں کے ڈھیر کی جانب اشارہ کیا۔ ''اور تم بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں کہ میں اہم معاملات میں الجھا ہوں، اور اپنی تمام کمپنیز اور کارٹیل کی ان دنوں سربراہی کر رہا ہوں کیونکہ میرا باپ سات دن پہلے مرا ہے۔''

''میرا باپ دس سال پہلے مرا تھا' اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم باپوں کو درمیان سے نکال کر بات کریں۔'' اس انداز پہ ہاشم نے لب ''اوہ'' میں سکیڑے، تعجب سے ابرو اٹھائے۔

''تو تم مجھ سے لڑنے آئے ہو؟'' اس نے زور سے فائل بند کر کے پرے کی اور ڈھیروں غصہ ضبط کیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

''میری کیا مجال کہ میں آپ سے لڑوں؟ میں صرف آپ کو کنفرنٹ کرنے آیا ہوں اور کنفرنٹ کرنے کے لئے آپ کے آفس سے بہتر جگہ کوئی نہیں تھی۔ سو مجھے بتائیں' کیوں بات کی آپ نے زمر سے؟ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا تھا' اب کیسے دوبارہ کریں گی؟'' وہ کافی بدتمیزی سے کھڑا بول رہا تھا۔

''کیا میں نے تم سے جواب مانگا تھا جب تم نے میرے کیے وکیل کو فائر کیا تھا؟'' وہ تلخی مگر ضبط سے بولا تو سعدی مزید بھڑک اٹھا۔

''مانگیں جواب۔ میں دوں گا ہر جواب۔'' ساتھ ہی میز پہ زور سے ہاتھ مارا اور اتنے غصے سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

''تو کیوں کیا میرے وکیل کو فائر؟''

''کیونکہ وہ وکیل بھی آپ جیسا تھا ہاشم بھائی۔ آپ کی طرح اسے بھی فارس غازی کی بے گناہی کا یقین نہیں تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے' میں بچہ ہوں؟ اونہوں!'' نفرت سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔ ''مجھے سب سمجھ آ گیا ہے۔ آپ کو بھی اندر سے یہی لگتا ہے کہ فارس نے قتل کیے ہیں۔ آپ بھی ان کو برا سمجھتے ہیں۔ اوپر سے آپ جو بھی کہیں' اندر سے آپ نے بھی ان کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔''

''بالکل، میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔۔ پھر؟ کیا کرو گے تم؟'' وہ اب بھی برداشت کر رہا تھا۔

''میں آپ سب پہ ثابت کروں گا کہ یہ قتل انہوں نے نہیں کیے تھے۔ آپ' زمر، سب ایک جیسے ہیں۔ آپ سب نے ان کو اکیلا کر دیا ہے۔ اتنے سال میں آپ ایک دفعہ ان سے ملنے جیل نہیں گئے۔ لوگوں کی باتیں آپ کے دل میں بھی بیٹھ گئی ہیں' اور آپ بھی۔ آپ بھی باقیوں کی طرح ہی ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ بے حد ہرٹ اور دکھی سا لگتا پیچھے ہٹا۔ ہاشم سختی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وکیل کے بدلاؤ پہ باز پرس کرنے پہ تم مجھ سے ایسے بات کرو گے' تو میں اس ذکر کو نہ چھیڑتا۔'' ہاشم کا صدمہ اور غصہ' حقیقی تھا۔

''مجھے آپ کی بات سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ پیچھے ہٹتے مزید بلند آواز میں غصے سے بولا تھا۔ ''آپ کا امیج میری نظروں میں تباہ ہو چکا ہے۔ اس لئے بتا دوں' آپ کے والد کے چہلم کا دعوت نامہ آیا تھا' میں نہیں آؤں گا' میرے گھر سے کوئی نہیں آئے گا۔ آئندہ ہمیں کسی بھی

دعوت پہ بلانے کی زحمت نہیں کیجئے گا' انکار سن کر آپ کو خود شرمندگی ہوگی۔'' تنفر سے جذباتی انداز میں کہتا وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کرتے اسے اندر کا منظر جو نظر آیا اس میں ہاشم غم و غصے اور قدرے صدمے میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔

راہداری میں چلتے سعدی نے گہری سانس لی۔ دانستہ بھڑکائے اور تنے اعصاب کو گویا ڈھیلا کیا۔ ہاتھ اب بھی قدرے لرز رہے تھے' اور دل دھڑک رہا تھا۔ لفٹ کے پاس رکا تو اس کے دھاتی دروازے میں اپنا عکس دیکھتے خود کو شاباش دی۔

(اچھی پرفارمنس تھی سعدی! اگر جواہرات یہ نہ کرتی' تب بھی میں نے ان کے گھر نہ جانے کا کوئی تو بہانہ ڈھونڈنا ہی تھا' کہ اب ان کے ساتھ ایک میز پہ کھانا کھانا' ہنس کر بات کرنا' سب عذاب تھا۔ ہر جگہ وارث کا خون نظر آتا۔ سو اچھا کیا تم نے سعدی۔ اب ہاشم بھائی کم از کم یہ نہیں جان سکیں گے کہ میں ان کی اصلیت جانتا ہوں۔ اسے صرف اعتماد توڑنے کا غصہ خیال کریں گے' اگر یہ نہ کرتا تو میرے کھنچے کھنچے رویے سے وہ سمجھ جاتے۔ بہت اچھا کیا سعدی۔ روز ان کی شکل نہ دیکھنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا!) لفٹ میں کھڑے اترائی کا سفر طے کرتے وہ خود کو نارمل کرتا' داد دے رہا تھا۔ دل البتہ ویران سا تھا۔ آنکھوں میں بار بار نمی آتی جسے وہ سوئیٹر کے آستین سے رگڑ لیتا۔

.....❖❖❖.....

بھولنے والا لوٹ تو آیا ..... وقت مغرب یا عشاء کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر میں کچن سے پکتے کھانے کی مہک یوں پھیل رہی تھی جیسے پانی کے گلاس میں ٹپکا انک کا قطرہ پھیلتا ہے۔ ساری فضا اشتہا انگیز خوشبو سے معطر ہوگئی تھی۔ ایسے میں حنین، سعدی کے خالی کمرے میں بے مقصد کرسی پہ بیٹھی تھی۔ کہنیاں میز پہ ٹکائے' چہرہ ہتھیلیوں پہ گرا دیا۔ عینک اتار کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ کچھ دیر انگلی سے میز پہ لکیریں کھینچتی رہی۔ پھر یکا یک چونکی۔

قریب میں سفید جلد والی کتاب رکھی تھی۔ ساتھ ریپر اور کارڈ۔ سعدی وہ کتاب کسی کو تحفے میں دے رہا تھا؟ اچنبھے سے اس نے کارڈ اٹھایا۔ سالگرہ کا کارڈ' زمر کے نام۔ اوہ۔ پھپھو کی سالگرہ تھی نا چند دن بعد۔ تو سعدی وہ کتاب زمر کو دینے جا رہا تھا۔ یہ وہی کتاب تھی جو برسوں پہلے اس نے ایک دفعہ یونہی کھول لی تھی۔ اب دوبارہ کھولی تو پہلے صفحے پہ ہاشم کا نام لکھا تھا۔ اس نے نام پہ انگلی پھیری اور مسکرا دی۔ پھر بے مقصد صفحے پلٹتی رہی۔ دفعتاً درمیان میں ایک ورق پہ رکی۔

سات سو برس پہلے کے زرد زمانوں کو جاتا دروازہ سامنے تھا۔ حنین نے رک کر سوچا کہ اندر جائے یا نہیں، پھر بنا مزید کچھ سوچے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے دھکیلا۔ لکڑی کے قدیم منقش پٹ وا ہوئے۔ وہاں سے ڈھیروں روشنی کا سیلاب امڈ آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

روشنی قدرے تھمی تو اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ قدیم دمشق کے اس زرد سے مکان کے باہر کھڑی تھی جو مسجد سے ملحقہ تھا۔ ایک زمانے میں اس نے یہاں مجمع میں گھرے ایک ''بیمار'' کو دیکھا تھا۔ آج یہاں ویرانی تھی۔ سناٹا تھا۔ زردی شام اتر رہی تھی۔ روشنی اب ختم ہو چکی تھی۔ مکان کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ پاجامے' لمبی قمیص' اور ہیئر بینڈ لگے بالوں والی حنہ اس سارے زرد منظر نامے میں واحد رنگین شے تھی۔ اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بلی کی چال چلتی' پھونک پھونک کر قدم رکھتی مکان کے اندر آئی۔ پہلے کمرے کا پردہ ہٹایا اور سر نیچا کر کے اندر داخل ہوئی۔

اس مطالعاتی کمرے میں جگہ جگہ دیے جل رہے تھے یا چند ایک موٹی موم بتیاں۔ دیوار میں بنے خانوں میں کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے فرش پہ دوزانو ہو کر شیخ معلم بیٹھے تھے' اور چوکی پہ دھرے کورے پرچے پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے چوکھٹ میں کھڑی تنقیدی نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔ پھر گردن کڑا کر پکارا۔

''کیا آپ نے اپنی کتاب ختم نہیں کی؟'' وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ حنین نے آنکھیں ناراضی سے سکیڑیں۔ اردگرد سب زردی مائل تھا' جیسے پرانے زمانے کا پرنٹ ہو اور ایک وہی کلرفل تھی۔ پھر قدم قدم چلتی قریب آئی۔ چوکی کے عین سامنے۔ سر ترچھا کر کے گویا جھانکا۔

''کیا آپ کی کتاب میں واقعی دل کی بیماریوں کا علاج ہے؟'' پوچھتے وقت شکل یوں بے نیاز بنائی گویا جواب میں دلچسپی نہ ہو' مگر ساری حسیات جواب پہ لگی تھیں۔

''ہر مرض کی دوا ہے۔ جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے' اور جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔'' سر جھکائے کہتے ہوئے وہ بولے تھے۔

''آہ۔۔آپ کے زمانے کے مرض!'' اس نے گویا مایوسی سے ہاتھ جھاڑے۔ پھر سامنے بیٹھی' چوکی پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی پہ تھوڑی ٹکرائی۔ ''طاعون' اور دوسرے وباعی مرض ہمارے زمانے میں نہیں ہوتے۔ ہمارے مسئلے اور ہیں' یونو۔ مگر نہیں' آپ کو کیا پتہ۔'' پھر جیسے اسے غصہ آیا۔ تیوری چڑھا کر بولی۔ ''آپ سات سو سال قدیم کے ایک بوڑھے ہیں۔ ایک نائیو (naive) بوڑھے۔ آپ کو تو یہ تک نہیں معلوم کہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے' انٹرنیٹ کیا ہوتا ہے' ٹی وی شوز کسے کہتے ہیں.... اور وہ زندگی کیسے تباہ کرتے ہیں۔ مگر نہیں۔۔اف!'' جیسے کراہ کر سر جھٹکا۔ افسوس سے ان کو دیکھا۔

''آپ کی کتاب میری مدد نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں میرے کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔''

وہ ہنوز قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے تو زچ ہو کر حنہ ان کے پرچے پہ جھکی۔ گردن ترچھی کر کے پڑھا۔

''اے ایمان والوں، بے شک خمر، اور میسر، اور انصاب، اور ازلام شیطان کے گندے کاموں میں سے ہیں، پس ان سے بچو تا کہ تم نجات پاؤ۔'' حنہ نے سر اٹھایا' آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے ان کو دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے یہ آیت ہے' مطلب بھی پتہ ہے۔ خمر ہوتی ہے شراب۔ میسر ہوتا ہے جوا۔ انصاب ہوتے ہیں بت اور ازلام....'' آنکھیں میچ کر ذہن پہ زور دیا۔ ''ہاں' فال کے تیر وغیرہ، رائٹ؟۔ مگر اے شیخ! یہ میرے ملک کی میری جیسی مڈل کلاس کی لڑکیوں پہ اپلائی نہیں ہوتا۔'' نہایت افسوس سے ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ کے زمانے میں ہوتے ہونگے دمشق میں شراب کے مٹکے۔ وہ جیسے نسیم حجازی کے ناولز میں ہوتے تھے' ہم تو اس مشروب کا نام بھی نہیں لیتے' لینا پڑے تو انگریزی میں الکحل کہہ دیتے ہیں' انگریزی میں چیزیں کم بیہودہ لگتی ہیں۔'' رازداری سے آگے ہو کر ان کو اطلاع دی۔ وہ سنے بغیر لکھتے جا رہے تھے۔ ''بہرحال' شراب' جوا' بت، پانسے' کسی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں میرا....سو...'' وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھی۔ ''آپ کی کتاب میرے کسی کام کی نہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا، آپ سات سو برس پرانے ایک نائیو بوڑھے ہیں۔'' قدرے مایوسی' قدرے خفگی سے وہ واپس جانے کو مڑی۔

دوزانو بیٹھے' قلم سے پرچے پہ لفظ اتارتے شیخ نے ہولے سے پکارا۔

''جب شراب حرام کی گئی تھی تو وہ برتن بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔'' وہ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے' غالباً لکھتے ہوئے اونچا بول رہے تھے۔ حنین نے تاسف سے سر نفی میں ہلایا۔

''جیسا کہ میں نے کہا' آپ کے اور میرے زمانے کے مسائل مختلف ہیں۔''

قدیم دیوان خانے کی موم بتیاں ہنوز جھلملا رہی تھیں۔ وہ ان کی مدھم روشنی میں راستہ بناتی آگے آئی اور چوکھٹ کا پردہ ہٹا دیا۔ دوسری جانب مہیب تاریکی تھی۔ اس نے تاریکی میں قدم رکھا اور.....

اور کتاب بند کر دی۔ سر اٹھایا تو بھائی کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ کمرہ سفید ٹیوب لائٹ سے روشن تھا۔ لاؤنج سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حنہ نے بے دلی سے کتاب واپس رکھی' اٹھی ہی تھی کہ سعدی اندر آ گیا۔ اسے دیکھ کر رکا' پھر نظریں چرا کر الماری کی طرف چلا گیا۔

''ناراض ہیں آپ؟'' وہ بے قراری سے اس کے پیچھے آئی۔ چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا، پھر اس کی طرف گھوما۔

''نہیں۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔'' گہری سانس لے کر بولا۔

''دل سے کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں۔'' وہ اس کے سامنے آیا۔ نرمی سے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا۔ اور قریب بیٹھا۔ وہ سر جھکائے اپنے گھٹنوں کو دیکھتی رہی۔

''تم کسی کی موت کی ذمہ دار نہیں ہو حنہ۔ اوسی پی صاحب کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا تمہارا۔ ان کو تم پہ نہیں اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔ امی کے پاس جاتے' تمہاری حرکت بتاتے' تو امی تمہیں دو تھپڑ لگا کر ان کا کام بھی کرواتیں اور معافی بھی مانگنے کو کہتیں۔ ان کو پیپرز بھی نہ دینے پڑتے اور کام بھی ہو جاتا۔ مگر انہوں نے بزدلی کا راستہ منتخب کیا۔ یہ ان کی بھی غلطی ہے۔ سو اب بہتر ہے کہ ہم اس واقعے کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں۔'' حنین نے جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔

''میں ایڈمیشن نہیں لے رہی۔ میں بی اے کروں گی۔''

''ٹھیک ہے، اب تم انجینئر نہیں بنو گی۔ تم یہ ڈیزرو نہیں کرتی۔ سب کہتے تھے' حنہ کو ہر وقت کمپیوٹر کے آگے مت بیٹھنے دیا کرو' بچی بگڑ جائے گی مگر میں نے تمہارا انٹرنیٹ' کمپیوٹر' گیمز' کچھ نہیں روکا کبھی۔ مجھے تم پہ اعتبار تھا۔ تم نے میرا اعتبار توڑا ہے۔ حنہ ایک لفظ کی چیٹنگ بھی آپ کی ڈگری کو ''ناجائز'' بنا دیتی ہے۔ جو لوگ چیٹنگ کر کے میڈیکل میں ایڈمیشن لیتے ہیں' وہ ساری عمر مفت علاج بھی کرتے رہیں' تب بھی ان کی کمائی پاک ہو گی کیا؟ اللہ ہاں کے اصول بدلے نہیں جاتے۔ یو نو واٹ حنہ' میں تمہیں اس کے لئے معاف کر رہا ہوں' کیونکہ تم میں اور وارث ماموں کے قاتل میں فرق ہے۔ تم نے کہا ان کو گلٹ محسوس ہوا ہو گا' تمہیں وہ بھی نہیں ہوا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں، مجھے بھی لگتا ہے ان کو گلٹ ہوا ہو گا، وہ ماموں کی قبر پہ بھی گئی ہوں گے، ان کے نام پہ چیریٹی بھی کی ہو گی، آج بھی ماموں کے قاتل اگر ماموں کی بچیوں کو دیکھ لیں تو ان کے لیے بہت دکھ محسوس کریں گے، مگر کیا دکھ ہونا کافی ہوتا ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بڑے گناہوں کے کفارے ہوتے ہیں، خالی خولی گلٹ اور دکھ جائے بھاڑ میں۔ ذرا دیر کو زرتاشہ کا سوگ انھوں نے بھی منایا ہو گا، اور پھر؟ کیا اعترافِ جرم کیا؟ کیا کفارہ ادا کیا؟ خود کو قانون کے حوالے کیا؟ نہیں! تم ان جیسی نہیں ہو۔ تم نے کفارہ ادا کیا ہے، اور حنہ کفاروں کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اوسی پی صاحب کی جان تم نے نہیں ان کی بیٹی اور ان کی بزدلی نے لی ہے۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں مگر مجھے بہت عرصہ لگے گا دوبارہ تم پہ اعتبار کرنے میں' اور اب تم جو بھی پڑھنا چاہتی ہو' پڑھو' لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گی۔ ایک پکا عقد۔ کہ تم دوبارہ یہ کام نہیں کرو گی۔ کیونکہ حنہ اگر کبھی مجھے یہ پتہ چلا کہ حنین نے دوبارہ پیپر میں چیٹنگ کی ہے' تو اس دن ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔'' انگلی اٹھا کر سختی سے وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''مجھے دوبارہ کبھی یہ سننے مت دینا حنہ کہ تم نے پھر سے یہی کام کیا ہے۔''

حنین نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔ (ایسا تو کبھی بھی نہیں ہو گا، کبھی بھی نہیں۔ اسے یقین تھا۔)

''مگر حنہ، فی الحال، بی اے کرنا بھی اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ مسئلہ تمہاری ایڈکشن ہے۔ کمپیوٹر' اور ٹی وی ڈراموں کی ایڈکشن۔''

''ایڈکشن؟'' وہ چونکی۔ بری طرح۔ ایک دم سب رک گیا۔ وہ سات صدیاں پہلے کے شیخ معلم کے نیم تاریک دیوان خانے میں بیٹھے تھی، اور دور کہیں سعدی بول رہا تھا۔

''میں بھی دو تین ڈرامے فالو کرتا ہوں۔ پچھلے دو سال سے Suits اور چار پانچ سالوں سے Grey's Anatomy دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈرامے مت دیکھو' فلمیں مت دیکھو' میں یہ کہوں گا تو تم نہیں مانو گی۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ حد میں رہ کر دیکھو۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو، نقصان دیتی ہے۔''

وہ اس کا چہرہ دیکھتی' چپ چاپ سوچے گئی۔

''کیا سوچا پھر تم نے؟''

''خمر شیطان کی گندگی میں سے ہے۔'' وہ ہولے سے بولی تو سعدی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' اسے بات کا موقع محل سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ دور کسی اور زمانے میں بیٹھی بول رہی تھی۔

''شیخ نے ٹھیک کہا تھا۔ ہر شخص کا خمر مختلف ہوتا ہے۔ پتہ ہے الکحل کیوں حرام ہے؟ کیونکہ وہ نشہ کرتی ہے' اور لت ڈالتی ہے۔ ہر نشہ والی چیز خمر ہوتی ہے۔ چاہے وہ مشروب نہ ہو یا اس کا رنگ سرخ نہ ہو۔ میرا خمر یہ سب تھا۔ یہ کمپیوٹر' موبائل' انٹرنیٹ، ٹی وی۔ سو اب....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کروں گی۔'' کوئی عزم تھا جو اسی لمحے کر لیا۔ سعدی نے بے اختیار سمجھانا چاہا۔

''حنہ' کوئی بھی چیز بذاتِ خود اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا....''

''بالکل بھی مت کہیے گا یہ فضول بات جو لوگ دہرا دہرا کر نہیں تھکتے۔'' وہ غصے سے بولی۔ ''ہر چیز کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بذاتِ خود اچھی یا بری نہیں ہے۔ کچھ چیزوں کا برا استعمال ان کے اندر برائی کا اثر اتنا راسخ کر دیتا ہے کہ.... کہ ان میں آپ کے لیے اچھائی ختم ہو جاتی ہے۔ جب خمر ممنوع ہوئی تھی تو ان برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔ آپ خمر کے برتن میں آبِ زم زم نہیں پی سکتے بھائی۔''

''خیر' آج کل کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے' وہ اس زمانے میں کدو کے برتن تھے جو.....'' وہ اسے فتویٰ اور فقہ بتا رہا تھا مگر حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

''زمانہ نہیں بدلا بھائی۔ اب بھی مسئلے وہی ہیں جو سات سو سال پہلے کے دمشق میں ہوا کرتے تھے۔ کسی اور کے لئے یہ چیزیں بری نہیں ہوں گی مگر میرے لئے ہیں۔ میں ان کو اب ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔'' نفی میں سر ہلاتی حنین کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

''لیکن حنہ' الکحل بھی اکٹھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ منع کی گئی تھی۔ تین حصوں میں۔ ایک دم سے ان چیزوں کو زندگی سے نکالو گی تو اپنا ایک حصہ ان ہی کے ساتھ کھو دو گی۔ اڈیکٹڈ آدمی کو ایک دم سے منشیات سے نہیں ہٹایا جاتا۔ ڈوز ہلکی اور مزید ہلکی کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ چھوڑو۔ خود کو دبا کر، جبر کرو گی تو کتنا عرصہ ضبط ہو گا؟ ایک دن اسپرنگ کی طرح واپس وہیں آ جاؤ گی۔''

''نہیں۔ اگر ابھی نہیں چھوڑا تو کبھی نہیں چھوڑ سکوں گی۔'' وہ ناں میں گردن ہلائے جا رہی تھی۔ سعدی نے مزید سمجھانا چاہا مگر حنہ نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چپ ہو گیا۔ اگر وہ اپنا ضبطِ نفس آزمانا چاہتی تھی، تو سعدی کو اسے روکنا نہیں چاہیئے۔

اگلے روز ندرت نے جب کچن کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر لاؤنج میں جھانکا تو دیکھا، وہ کمپیوٹر پیک کر کے سعدی کے کمرے میں شفٹ کر رہی تھی۔ اسمارٹ فون میں سے اس نے پہلے ہی سم نکال کر اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا اور امی کی سم چھوٹے پرانے نوکیا سیٹ میں ڈال کر انہیں دے دی کہ میں اب یہ نہیں استعمال کروں گی۔ ندرت کو سعدی نے پتہ نہیں کیا کہہ کر سمجھایا تھا کہ وہ پہلے تو چپ رہیں، پھر ڈانٹنے لگیں، انہیں اس کے انجینئرنگ میں ایڈمشن نہ لینے کا بہت دکھ تھا، مگر وہ بے حس بنی سنتی گئی۔ کتنے دن ندرت نے اس کے ساتھ سر پھوڑا، پھر خود ہی تھک کر خاموش ہو گئیں۔ زندگی میں اور بھی غم تھے حنین کے سوا۔

اور اس تنہائی اور خاموشی کی نئی سرنگ میں داخل ہونے کے بعد حنین یوسف کے لیے ایک ہی روزن تھا۔ اپنا عہد! اگلے بورڈ ایگزام میں، (بی اے کے فائنل ایگزام میں) وہ اپنی محنت سے پاس ہو گی، جیسے سیکنڈ ائیر سے پہلے ہر سال ہوتی رہی تھی، اور جس دن ایمانداری کا رزلٹ آئے گا، اس کے دامن پہ لگا بے ایمانی کا داغ دھل جائے گا۔ بھائی اس پہ پھر سے اعتماد کرنے لگے گا۔ اب وہ کبھی بھی اس کو یہ سننے کا موقع نہیں دے گی کہ حنین نے چیٹنگ کی ہے۔ اب حنین ایسا کبھی بھی نہیں کرے گی۔ سعدی نے کہا تھا اگر اسے دوبارہ ایسا کچھ پتہ چلا تو اس دن وہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہو گا، اسے یقین تھا۔

وہ غلط تھی۔

❖❖❖

یہ عیاں جو آبِ حیات ہے اسے کیا کروں؟ ..... کہ نہاں جو زہر کے جام تھے مجھے کھا گئے!

جیل کا ملاقاتی کمرہ مایوسی اور ڈپریشن کی فضا سے بوجھل ان دونوں کے گرد موجود تھا۔ فارس پیچھے کو ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر، منہ میں کچھ چباتا، نظریں آگے پیچھے کی چیزوں پہ دوڑا رہا تھا' جبکہ سعدی دبے دبے غصے اور خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

''اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے انہیں استعمال کرنے کی کوشش کی۔''

''بریکنگ نیوز سعدی' ہر بات تمہاری پھپھو کی وجہ سے نہیں ہوتی۔'' اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''اتنی مشکل سے وہ راضی ہوئیں آپ سے ملنے کے لیے اور آپ نے سب کچھ غارت کر دیا۔'' وہ دبا دبا چلایا تھا۔

''تو کیا کروں؟'' فارس نے برہمی سے سعدی کو گھورا۔ ''مزید ڈھائی سال یہاں گزار دوں؟''

''جب میں نے کہا تھا کہ آپ کو یہاں سے نکال لوں گا تو۔۔؟؟ کیا ضروری تھا زمر کو دوبارہ خود سے بدظن کرنا؟'' اس کا غصہ کم ہونے کو ہی نہیں آ رہا تھا۔

''وہ ہمیشہ سے مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ تمہاری ذہین فطین پھپھو (طنز سے اسے دیکھا) اتنا تو پتہ نہیں لگا سکیں کہ فارس غازی بے گناہ ہے!''

اس بات پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا، آنکھیں سکیڑ کر چبھتی ہوئی نظروں سے فارس کو گھورا اور پھر چبا چبا کر بولا۔ ''فارس غازی صاحب، میری پھپھو آپ سے کئی گنا زیادہ سمارٹ اور سمجھدار ہیں، آپ کی طرح وہ ہاتھوں سے نہیں سوچتیں، دماغ سے سوچتی ہیں۔ اور ہاں، اگر آپ کی جگہ وہ جیل میں ہوتیں تو ڈھائی سال کیا، ڈھائی دن میں باہر نکل آتیں۔''

''تھینک یو ویری مچ! سعدی۔ میں بہت مرعوب ہوا ہوں۔'' اس نے اتنی ہی برہمی سے سر جھٹکا۔

''آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہے کہ اتنی اسمارٹ ہو کر بھی ان کو آپ کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے؟'' کچھ دیر بعد وہ قدرے ہموار لہجے میں بولا۔ فارس کچھ کہے بنا اسے دیکھنے لگا۔ ''ماموں، آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔ بات ذہانت یا بے وقوفی کی نہیں ہے۔ امی کو دلیل لیں۔ امی بالکل بھی ذہین نہیں ہیں۔ دودھ چولہے پہ رکھ کر بھول جاتی ہیں۔ ان سے پوچھو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پہ حملہ کب ہوا تھا تو تاریخ یا سن یاد نہیں ہوگا، مگر کہیں گی، تب سعدی فلاں کلاس میں تھا۔ ان کا کیلنڈر ان کے بچوں کی پیدائش، ان کے چلنے، بولنے، یا فلاں کلاس میں ہونے کے مطابق ان کے ذہن میں فٹ ہے۔ بالکل ہی بھولی ہیں امی۔ مگر جب میں نے ان سے کہا کہ ماموں کی جعلی ٹیپ سن لیں تو انہوں نے نہیں سنی، سن لیتیں تب بھی نہ مانتیں۔ اپنی تمام تر سادگی کے باوجود ان کو جتنے ثبوت آپ کے خلاف مل جائیں، وہ آپ کو گناہگار نہیں مانیں گی۔ پتہ نہیں کیوں؟''

''کیونکہ ان کو مجھ پہ اعتبار ہے۔ اور۔۔'' وہ ٹھہرا، اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور میڈم زمر کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے!'' بہت سالوں بعد اس کو وہ بات سمجھ آئی تھی۔

''بالکل۔ وہ آپ پہ اعتبار نہیں کرتیں، سو اب آسمان سے فرشتے اتر کر بھی آپ کے حق میں گواہی دیں، وہ تب بھی نہیں مانیں گی کیونکہ ٹوٹا اعتبار جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور وہ کیوں کریں آپ پہ اعتبار؟ وہ آپ کو جانتی ہی کتنا ہیں؟ چند ماہ کے لیے آپ ان کے اسٹوڈنٹ رہے تھے، وہ کبھی بھی آپ سے بے تکلف نہیں تھیں، آپ کام کے علاوہ ان سے کبھی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کام پڑنے پہ آپ سے رابطہ کر لیتیں یا خاندانی تقریبات میں آپ سے سرسری سی ملاقات ہو جاتی، اور بس۔ وہ آپ کو ویسے نہیں جانتی تھیں جیسے ہم جانتے ہیں۔ جیسے امی جانتی ہیں۔ جس دن وہ آپ کو جاننے لگیں گی، اسی دن اعتبار بھی کرنے لگیں گی، اس لیے پلیز، ان کو دشمن سمجھنا چھوڑ دیں۔'' ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ ''زمر دشمن نہیں ہیں، زمر وہ واحد انسان ہیں جن کو میں اپنے ساتھ کھڑا کرنا چاہتا

اوں اس جنگ میں، مگر ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے، ان کو الزام مت دیں۔ میں آپ کو باہر نکال لاؤں گا، ٹرسٹ می۔ صرف چند ماہ۔ مجھے چند ماہ کا وقت دیں۔ میں آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔'' سینے پہ ہاتھ رکھے' آگے جھکے' وہ خفگی سے ہی سہی التجا کر رہا تھا۔ فارس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ مگر اسے ساتھ ہی تیکھی نظروں سے بھی دیکھا۔

''اور تم کیا کرو گے۔''

سعدی نے گہری سانس لی' پیشانی انگلی سے کھجائی۔

''جو بھی کرنا پڑا۔''

''اے۔۔ بات سنو۔'' اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا، ورنہ چار دن میں ادھر جیل میں بند ہو گے۔'' بے زاری اور غصے کے پیچھے جیسے وہ فکر مند ہوا تھا۔ سعدی لب بھینچے آگے ہوا، جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میری جو مرضی آئے میں کروں گا، جو بھی کرنا پڑا کروں گا۔ زیادہ مسئلہ ہے آپ کو تو مجھے گرفتار کروا دیں۔'' ڈھٹائی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے بے بسی بھری برہمی سے اسے گھورا۔

''کچھ غلط کرنے کی ضرورت ہے؟''

''میں آپ پہ احسان کرنے جا رہا ہوں، اس امید پہ کہ شاید کبھی آپ بھی ایسا ہی احسان میرے اوپر کرنے کے قابل ہوں۔ اوہ اینڈ یو آر ویلکم!'' مسکرا کر سر کے خم سے اس کا وہ شکریہ قبول کیا جو اس نے نہ کہا تھا نہ کہنا تھا۔ اور پھر جب وہ مڑا تو اس نے سنا، فارس نے قدرے تذبذب کے بعد کہا تھا۔

''سنو۔۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔''

.....❖❖❖.....

سمجھتا کیا ہے تُو دیوانہ گانِ عشق کو زاہد! ..... یہ ہو جائیں گے جس جانب، اسی جانب خدا ہو گا!

سعدی قدم قدم زینے چڑھتا اوپر آیا۔ راہداری کے سرے پہ عمارت کا فلور نمبر لکھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چٹ سے پتہ ٹیلی کیا اور ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے فلیٹس کے بند دروازے تھے۔ وہ دائیں طرف کے دوسرے دروازے پہ آیا' اور بیل بجائی،

''کون ہے؟'' اندر سے مردانہ آواز سنائی دی۔

''مجھے.... مجھے احمر شفیع سے ملنا ہے۔''

دروازہ کھلا' ذرا سی درز سے اس نوجوان نے باہر جھانکا۔ ماتھے پہ بکھرے بال' ٹراؤزر پہ شرٹ پہنے' وہ سیاہ آنکھوں والا نوجوان تھا۔ اس نے اوپر سے نیچے تک سعدی کا جائزہ لیا جو جینز پہ گول گلے کی سوئیٹر پہنے کھڑا متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کوئی پزا آرڈر نہیں کیا۔'' وہ بے زاری سے دروازہ بند کرنے لگا۔ سعدی جلدی سے بولا۔

''میں سعدی ہوں۔ فارس غازی کا بھانجا۔'' (کیا میں دیکھنے میں ڈلیوری بوائے لگتا ہوں؟)

بند کرتے کرتے وہ رکا، پھر دروازہ پورا کھول دیا۔ اب کہ نوجوان نے قدرے غور سے اسے دیکھا' پھر سر ترچھا کر کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سعدی قدرے ہیجان سے اندر آیا۔

''آپ حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں' ماموں نے بتایا تھا۔'' چھوٹے سے فلیٹ کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے' وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا برائے بات بولا۔ جواب میں احمر نے شانے اچکائے۔

''ہوں۔ میرے وکیل نے سارے ثبوت مٹا دیے اور اس گھنگریالے بالوں والی چڑیل پراسیکیوٹر کو نتیجتاً چارجز ڈراپ کرنے

پڑے۔'' وہ اوپن کچن میں آیا' فریج کھولا۔ دو کوک کے کین نکالے اور مڑا تو سعدی صوفے کے ساتھ کھڑا بالکل چپ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''بیٹھو۔'' اس نے اسی لاپرواہی سے اشارہ کیا مگر وہ نہیں بیٹھا۔

''وہ گھنگریالے بالوں والی پراسیکیوٹر میری سگی پھپھو ہیں۔''

دانت سے کین کا منہ کھولتے احمر کو گویا ہچکی آئی۔ بمشکل سنبھلتے وہ' چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر لایا۔

''آئی ایم سوری' میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی ہیں' میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ بیٹھو نا!''

ایک لمحے کو سعدی نے راہداری کو جاتے دروازے کو دیکھا' گویا وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو' مگر یہ تو وہ جان گیا تھا کہ پہلے تاثر سچ نہیں ہوتے' سو سر ہلا کر صوفے پہ بیٹھا۔ احمر نے دوسرا کین اس کی طرف اچھالا جسے اس نے دونوں ہاتھوں میں کیچ کیا۔ (یونہی پتہ نہیں کیوں' نوشیرواں یاد آیا۔)

چند منٹ بعد وہ دونوں صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سعدی گھٹنے برابر رکھے' آگے ہو کر' اور احمر صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک پیر جھلاتا' اپنی سیاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں' جج فارس غازی کے حق میں فیصلہ دے دے۔ اس کے لئے میں کیا کروں؟ ماموں نے کہا تھا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔''

احمر نے کین اونچا کر کے گھونٹ بھرا' پھر اسے نیچے کیا۔ ابرو اچکائے۔

''سمپل۔ ایک Presentation تیار کرو' اس میں غازی کے حق میں سارے ثبوت ڈالو' اور یہ دکھاؤ کہ وہ کتنا اچھا انسان ہے' پھر اسے ایک فلیش ڈرائیو پہ ڈالو' اور وہ ڈرائیو جج کے گھر لے جاؤ' اس سے درخواست کرو کہ وہ یہ دیکھ لے' اس کے کمپیوٹر پہ اسے چلاؤ۔ پھر اس کی خوب منت کرو کہ وہ اسے رہا کر دے۔''

''کیا صرف منت کرنے سے وہ رہا کر دے گا؟''

''ابے نہیں یار!'' احمر نے بدمزہ ہو کر ناک سے مکھی اڑائی۔ ''جو فلیش تم اس کے کمپیوٹر میں لگاؤ گے' وہ اس کے سسٹم میں ایک mole داخل کرے گی۔ اس کے بعد جج صاحب اس کمپیوٹر پہ جو کچھ لکھیں گے یا دیکھیں گے' اس کی لمحہ بہ لمحہ خبر تمہارے کمپیوٹر پہ آ جائے گی۔ چند ہفتوں میں تمہیں اچھا خاصا مواد مل جائے گا جج کے خلاف۔ پہلے گمنام طریقے سے اسے بھیجنا۔ اگر وہ ڈر جائے' اور جھانسے میں آ جائے' تو کھلم کھلا بلیک میل کرنا۔ چند مہینوں میں غازی باہر ہو گا۔''

سعدی کا منہ کھل گیا۔ پھر آہستہ سے اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ (واؤ) احمر اب آخری گھونٹ اندر انڈیل رہا تھا۔

''ایک اور کام بھی ہے۔''

''بولو۔'' اس نے کین رکھ کر سنجیدہ متوقع نظروں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ قدرے متذبذب تھا۔

''ایک معزز خاندان کی لڑکی کی ایک گالف کلب کے ریکارڈ میں کچھ فوٹیجز ہیں جو....''

''کیسی فوٹیجز؟ جوا؟ ڈرگز؟ یا کچھ اور؟'' وہ جو رک رک کر بتا رہا تھا' احمر نے اتنی ہی سادگی سے پوچھا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھنے والوں کو غلط باتیں کرنا زیادہ ہی غلط لگا کرتا ہے۔

''وہ کارڈز کھیل رہی تھیں۔ آف کورس' جوا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''مطلب فوٹیجز غائب کرنی ہیں؟ ہو جائیں گی۔ کلب کا نام کیا ہے؟۔ ویسے مجھے اندازہ ہے یہ کدھر ہوا ہو گا' بہرحال' نام تاریخ' لڑکی کی تصویر' سب دے دو۔ میں کر لوں گا۔''

''مگر آپ اس کے شوہر کو نہیں بتائیں گے۔'' احمر نے اچنبھے سے ابرو سکیڑے۔

''کیا میں اس کے شوہر کو جانتا ہوں؟''

''مسز شہرین کاردار۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

احمر چونک کر سیدھا ہوا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' حیرت سے اسے دیکھا۔ ''ہاشم کاردار کی بیوی' اوہ ہو۔ یہ تو کافی شرمناک ہوگا ا ا ر صاحب کے لئے۔ بیوی کی گیمبلنگ فوٹیج؟ چچ چچ۔ یہ تو اسکینڈل بن سکتا ہے۔'' اس نے ماتھے کو چھوا۔ ''ہاشم کے ساتھ ایسا نہیں ہونا ا ۔ وہ غازی کا کزن ہے، مجھے پسند نہیں ہے مگر وہ ایک عزت دار آدمی ہے۔ اوہ تم اس سے ناراض تو نہیں غازی کی طرح؟'' سعدی کے ہ ۔ پہ اس نام پہ آئی ناپسندیدگی دیکھ کر اس نے وضاحت دی۔ ''اس نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی غازی کو نکلوانے کے لیے مگر اس کے والد ا نے روک دیا، اور انہوں نے بھی اپنے ایڈوائزر کی وجہ سے ایسا کیا۔'' گویا ملامتی انداز میں اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔ سعدی نے ا ب سے اسے دیکھا۔

''کون ایڈوائزر؟ کیا ان کو کسی نے فارس کی مدد نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا؟'' پوچھتے ہوئے اس کے ابرو غصے سے تن گئے۔ احمر نے ا التیار اس کو دیکھا، پھر سینٹر ٹیبل پہ رکھے کانچ کے گلدان پہ نظر ڈالی جو اگر ٹوٹتا تو بہت زور کا لگتا۔ آوچ!

''آ..... ہاں شاید کسی نے مشورہ دیا تھا۔ پتہ نہیں کون تھا، میں نے تو اڑتی اڑتی سنی ہے!'' گڑبڑا کر کہتے اس نے تھوک نگلا۔ عدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اصل کام یاد آیا۔

''تو کیا آپ شہرین کی فوٹیج غائب کر سکتے ہیں؟'' وہ بے چینی سے آگے ہوا۔

''ہاں' لیکن وقت لگے گا' کسی اور سے نہیں کروا سکتا۔ خود کرنا پڑے گا۔''

''آپ کا اس سب پہ وقت کے ساتھ پیسہ بھی لگے گا تو....'' کہتے ہوئے سعدی نے جینز کی جیب پہ ہاتھ رکھا گویا بٹوہ نکالنے لگا ہو۔ مگر احمر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''نہیں' میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔''

''نہیں پلیز' میں آپ کو ہائر کر رہا ہوں' اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو لوگ ایسے کاموں کے لئے ہائر کیا کرتے ہیں' تو ظاہر ہے مجھے ا ھا نہیں لگے گا اگر میں....''

''سنو بچے۔'' سنجیدگی سے کہتے اس نے ہاتھ اٹھا کر سعدی کو مزید بولنے سے روکا۔ ''پہلی بات۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا' اور ا ری بات' جس جیب پہ تم نے ہاتھ رکھا ہے، تمہارا بٹوہ اس میں نہیں، بلکہ دوسری جیب میں ہے۔ شرمندہ مت ہونا' مجھے پتہ ہے تم اپنی ا اری کی وجہ سے کہہ رہے ہو' اس لئے سنو' میں بھی اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔''

سعدی نے تکان سے ٹھنڈی سانس بھری' اب شرمندہ کیا ہونا؟ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تھینک یو' فری سروسز کرنے کے لئے۔'' اور ہلکا سا ٹ رایا۔

''ایک منٹ بھائی ایک منٹ!'' احمر اٹھ کر آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا ''اب یہ نہیں کہا کہ فری کام کروں گا۔ تمہارا کام ہو ا ے گا' مگر شہرین بی بی سے کہنا' میرا چیک تیار رکھیں۔''

''اوہ۔ شیور!'' وہ سنبھل کر مسکرا دیا۔

بلکہ....'' احمر رکا' ٹھوڑی پہ دو انگلیاں رکھے کچھ سوچا۔ ''مسز شہرین سے کیش لینا۔ چیک نہیں۔ اسے یہ نہیں پتہ چلنا چاہیئے کہ یہ کام ا سے کروا رہے ہو۔''

''کیوں؟''

''وہ اپنے شوہر کو بتادے گی۔اور وہ سارا غصہ مجھ پہ نکالے گا،اسے ویسے ہی میں ناپسند ہوں۔''

''ارے نہیں۔وہ دونوں علیحدہ ہو چکے ہیں'اور وہ تو خود اسے ہاشم بھائی سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔''اس کی بات پہ احمر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''پتہ ہے عورتوں کا مسئلہ کیا ہوتا ہے؟''قریب آ کر قدرے رازداری سے پوچھا۔سعدی نے نفی میں گردن ہلائی۔''وہ کسی نہ کسی کے سامنے کبھی نہ کبھی بول ہی پڑتی ہیں' سو آج نہیں تو دو سال بعد وہ ہاشم کو ضرور بتائے گی۔ Once a Kardar, Always a Kardar اس لئے....''ابرو اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''او کے۔سمجھ گیا۔''اور اس کا پھر سے شکریہ کہتا باہر جانے کو مڑا۔

''ویسے غازی کے کیس سے شہرین کاردار کا کیا تعلق؟''تھوڑی کھجاتے ہوئے اس نے قدرے پرسوچ انداز میں پوچھا۔سعدی کے قدم تھمے۔احمر کی جانب پشت تھی' سو تھوک نگل کر قدرے اعتماد سے پلٹا۔

''شہرین والا معاملہ ایک ذاتی فیور ہے۔اس کا ماموں کے کیس سے کوئی تعلق نہیں۔''

''آہاں۔''احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔گویا مطمئن ہو گیا ہو۔اس سے زیادہ اسے دلچسپی نہ تھی۔

.....❖❖❖.....

یہ حقیقت ہے جہاں ٹوٹ کے چاہا جائے ..... وہاں بچھڑنے کے بھی امکان ہوا کرتے ہیں

شام قصر کاردار پہ گہری سیاہ پھیل چکی تھی جب ہاشم بیرونی دروازہ عبور کر کے لاؤنج میں داخل ہوا۔ملازم اس کا بریف کیس لئے پیچھے تھا۔

جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ براجمان تھی' اور نوشیرواں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔دونوں کوئی بات کر رہے تھے' ہاشم کو دیکھ کر خاموش ہوئے۔خلافِ معمول وہ سیدھا اوپر نہیں گیا۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' قریبی صوفے پہ آ بیٹھا۔تھکا تھکا اور کسی سوچ میں لگ رہا تھا۔

''خیریت؟''جواہرات نے محتاط نظروں سے اس کا چہرہ تکا۔

''سعدی آیا تھا آج۔''وہ سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے' پیر میز پہ رکھے' سامنے دیوار کو دیکھتے سوچتے ہوئے بولا تو جواہرات اور شیرو نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''کیوں؟ کیا کہہ رہا تھا؟''گردن کی موتیوں کی لڑی پہ خواہ مخواہ ہاتھ پھیرتے وہ سرسری سا بولی۔آنکھوں میں بے چینی امڈ آئی تھی۔

جواب میں وہ ساری بات اسی سوچ میں گم انداز میں بتاتا گیا' جسے سن کر جواہرات کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' شیرو نے بھی گہری سانس لی۔

''میں نے وکیل کے بدلاؤ کی بات پہ بازپرس کی تو وہ بھڑک اٹھا۔اس نے کبھی مجھ سے ایسے بات نہیں کی۔مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ چاہتا تھا۔''پھر ایک دم چونک کر گردن موڑی۔فیونا اسپرے کی بوتل اٹھائے گزر رہی تھی۔ہاشم نے اسے پکارا تو وہ رکی۔

''سعدی کو جانتی ہو نا؟ کیا وہ آج گھر آیا تھا؟''فیونا نے جواب دینے سے قبل ایک ذرا کی ذرا نظر جواہرات پہ ڈالی جو دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی' پھر ہاشم کو دیکھا اور مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''نو سر۔آخری دفعہ میں نے اسے چار روز قبل ادھر دیکھا تھا۔''ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کو کہا۔

''آپ کی تو کوئی بات نہیں ہوئی اس سے؟''اب وہ جواہرات کو الجھے انداز میں مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

''نہیں' کیوں؟ ہمارا کیا تعلق؟''

''نہیں مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ ڈھونڈنے آیا تھا۔ کسی اور بات پہ خفا تھا اور غصہ کسی اور طرح نکالا۔'' پھر ہولے سے سر جھٹکا۔ ''شاید میں زیادہ ہی سوچ رہا ہوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ اتنے سال جس لڑکے کے ساتھ میں اتنی شفقت سے پیش آتا رہا' وہ اس طرح کا ری ایکٹ کیسے کر سکتا ہے مجھ سے؟'' اسے کافی دکھ ہوا تھا۔ شیرو نے بمشکل ناگواری چھپائی۔

''وہ تو اسی طرح کا ہے۔ بدتمیز اور احسان فراموش۔ آپ کو ہی اس کی اصلیت دیر سے پتہ چلی۔ مگر آپ اب بھی اس کے ساتھ وہی سوتیلے بھائی والا رویہ رکھیں گے' مجھے پتہ ہے۔''

''اب نہیں۔'' ہاشم کے چہرے پہ تلخی گھل گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ سختی اتر آئی۔ اس کے دل میں سعدی کے لیے گرہ پڑ گئی' سو پڑ گئی۔ ''جس طرح وہ آج بدتمیزی سے بولا' میں دوبارہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' پیر نیچے اتارے اور جھک کر بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔

''یہی بہتر ہے۔'' جواہرات نرمی سے مسکرائی اور شیرو کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی آرام دہ نظر آنے لگا تھا۔

ہاشم تسمہ کھول کر سیدھا ہوا' اور جیب سے ایک کی چین نکال کر شیرو کی جانب اچھالی' جو اس نے بروقت کیچ کی۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر چابیاں دیکھیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''تمہاری نئی کار۔'' بیٹھے بیٹھے چہرہ اٹھا کر وہ تکان سے مسکرایا۔ نو شیرو واں نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر چابیوں کو۔

''نہیں' یہ وہ اسپورٹس کار نہیں ہے جو تم چاہتے تھے۔ اس کی جگہ ایک ایگزیکٹو لگژری کار دے کر میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں نو شیرواں کہ تمہاری کمپنی جو ڈیڈ نے تم سے لی تھی' میں نے تمہیں واپس کر دی ہے' تمہیں ہر وہ چیز نہیں ملے گی جو تم چاہتے ہو' بلکہ وہ دی جائے گی جو تمہارے لئے بہتر ہو۔'' اور پھر نرمی سے مسکرایا۔

''تھینک یو سو مچ بھائی۔'' وہ حیران' خوش تیزی سے باہر کو بھاگا۔ ہاشم اب اٹھ کر اوپر جا رہا تھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے' سکون اور اطمینان سے دونوں بیٹوں کی جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ لاؤنج میں اکیلی رہ گئی تو میز پہ رکھے شیرو کے فون کی بپ بجی۔ اس نے بنا توقف کے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ شہرین کا میسج تھا۔

کوئی عام سی بات کہی تھی اس نے مگر جواہرات کے ابرو تن گئے۔ پر سوچ انداز میں بیرونی دروازے کو دیکھا جہاں سے شیرو گیا تھا اور پھر..... انگلیوں کو حرکت دی پیغام مٹایا۔ فون واپس رکھا' اور اسی شان سے اس کرسی پہ بیٹھی رہی جو کسی ملکہ کا خاصا ہوتی ہے۔ تنی گردن' بے نیاز مسکراہٹ اور ایک عظیم الشان سلطنت کے خیال سے چمکتی آنکھیں۔

وہ آزاد تھی۔ اورنگزیب کی غلامی کی زنجیروں سے یکسر آزاد۔ سوا گلا ڈیڑھ برس بہت اچھا گزرا۔ ہاشم نے کاروبار' گھر' سب سنبھال رکھا تھا۔ سونی شہرین کے پاس ہوتی' کبھی آ جاتی تو اچھا لگتا۔ شہرین آتی تو اچھا نہ لگتا' مگر وہ اس کو فی الوقت تحمل سے برداشت کیے ہوئے تھی۔ شیرو کا شیری کی جانب بڑھتا رجحان بھی اس کی نظر میں تھا' مگر ابھی اسے برداشت کرنا تھا۔

سعدی اور اس کے خاندان کا داخلہ یہاں اب بند تھا۔ سونی کی اگلی پارٹی پہ (جو اورنگزیب کی وفات کے پانچ ماہ بعد ہوئی) اس نے سعدی کو دعوت نامہ بھجوایا' مگر وہ نہیں آیا۔ ہاشم بھی اب اس کا ذکر نہیں کرتا تھا' سوائے ایک دو دفعہ کے جب اس نے بتایا کہ سعدی اسے اپنے آس پاس نظر آیا ہے' کبھی کسی ہوٹل تو کبھی کسی اور پبلک پلیس پہ' جیسے وہ کسی چیز کے پیچھے ہے' تو جواہرات نے نظر انداز کیا۔ مگر ہاشم زیادہ عرصہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ عرصہ بھی اس لئے توجہ نہیں کر سکا کہ باپ کے مرنے کے بعد ٹیک اوور کرنا' ہر شے سنبھالنا' ان سب بکھیڑوں نے اسے مصروف کر دیا تھا۔ ایسے میں کس کے پاس اتنا وقت تھا کہ جیل میں جہنم واصل ہوئے کزن یا اس کے بھانجے کی فکر کرے؟

اسے جس دن سعدی کو ''چیک'' کرنے کا خیال آیا' فارس اسی دن رہا ہو کر ان کی زندگیوں میں واپس پہنچ گیا' اور جیسے پرسکون ندی میں زور دار پتھر آن گرا تھا۔

آج ڈیڑھ سال بعد کی اس خاموش سہ پہر' جب جواہرات زمر کے گھر سے فارس کے ہمراہ لوٹی تھی' اور اپنے خالی گھر میں اسی اولیں کرسی پہ بیٹھی تھی' تو اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے' نم آنکھوں سے اسے وہ سب یاد آ رہا تھا' جو یاد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور ہاں' ایک بات وہ اب بھی جانتی تھی۔ ہاشم اعتراف کرے یا نہیں' وہ آج بھی سعدی سے محبت کرتا تھا۔ وہ آج بھی اسے مس کرتا تھا۔

تو پھر..... بالآخر..... ہم بھی ڈیڑھ برس قبل کے سرما کے سرد ماضی کی کہانی کو وہیں دفن کر کے مکمل طور پہ ''حال'' کے موسم گرما کی جانب بڑھتے ہیں، جہاں فارس غازی کی رہائی کے بعد سب کی زندگیاں بدل رہی تھیں۔

.....❖❖❖.....

رک گیا میں سزا سے کچھ پہلے ..... اس کو احساس خود خطا کا تھا

یوسف صاحب کے روشن گھر پہ مئی کی گرم شام اتری تھی اور وہ ڈرائنگ روم میں عین اسی جگہ وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے جہاں دوپہر میں تب براجمان تھے جب فارس اور جواہرات ادھر تھے۔ البتہ اب حاضرین بدل چکے تھے۔ ندرت سامنے صوفے پہ بیٹھیں' دھیمی آواز سے بڑے ابا کو تسلی دے رہی تھیں اور سعدی' وہ جو آفس سے فارس کا فون سن کر گویا بھاگتے ہوئے امی کو لئے ادھر آیا تھا' کھڑکی کے ساتھ کھڑا' نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ پھر ان کی جانب مڑا تو چہرے پہ خفگی تھی۔

''آپ کس طرح اپنے منہ سے یہ بات فارس ماموں سے کہہ سکتے ہیں؟ کم از کم امی یا مجھ سے تو بات کرتے۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے؟''

''زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، سعدی۔'' ندرت خفا ہوئیں۔ ''آج کل لڑکی والوں کا کہنا معیوب نہیں سمجھا جاتا' اور اس میں غلط بھی کیا ہے؟ اگر زمر کو اعتراض نہیں تو تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو؟''

''یہ جس جگہ آپ بیٹھی ہیں' ادھر' بالکل ادھر پچھلے ہفتے فارس ماموں بیٹھے تھے جب زمر آئیں اور ان کو کھڑے کھڑے یہاں سے نکال دیا۔'' باقاعدہ انگلی سے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ندرت نے بے اختیار پہلو بدلا۔ ''مان ہی نہیں سکتا میں کہ زمر مان گئی ہیں۔'' بہت ہی شدت سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بڑے ابا نے گردن اٹھائی۔ بے بسی سے اسے دیکھا۔

''وہ مانی نہیں ہے' بس اس نے کہا کہ جو میری مرضی ہو میں کر دوں۔''

''یعنی کہ آپ لوگ ان پہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ایسا مت کریں بڑے ابا۔'' وہ ناراض ہوا۔

''اور اسی جگہ کھڑے ہو کر تم نے پچھلے ہفتے سعدی مجھے کہا تھا کہ میں زمر کی شادی کر دوں' فارس سے۔''

وہ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔

''مگر ایسے نہیں کہ وہ زبردستی یہ فیصلہ کریں۔''

''تو پھر جاؤ بیٹے' زمر سے بات کرو' اس سے پوچھو کہ بغیر جبر کے بتائے' وہ کیا چاہتی ہے۔ میں وہی کروں گا جو وہ چاہتی ہے۔''

سعدی کھڑا لب کاٹتا رہا۔ وہ الجھا ہوا تھا' خفا بھی تھا۔ کیا چیز غلط تھی' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مگر کچھ صحیح نہیں تھا۔

''مجھے اس سب میں مسز کاردار کی مداخلت نہیں پسند آئی بڑے ابا۔ وہ کیوں اتنی بے چین ہیں زمر کی شادی کے لئے؟''

''ان کو کہا تھا میں نے کہ زمر کو شادی کے لئے قائل کریں' وہ میرے کہنے پہ مداخلت کر رہی ہیں۔'' ان کی وضاحت پہ سعدی نے الجھے الجھے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''مجھے نہیں پتہ' مگر مجھے یہ اس طرح ٹھیک نہیں لگ رہا۔'' اور اسی متفکر چہرے سے باہر نکل آیا۔

لان میں شام اندھیر ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھا کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر جیب سے موبائل نکالا اور جواہرات کا نمبر ملایا۔ فون کان سے لگائے سنجیدہ آنکھوں اور تنے تاثرات کے ساتھ دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

''سعدی! اتنے عرصے بعد فون پہ تمہاری آواز سنی۔ کبھی کبھی ہمارے لئے وقت نکال لیا کرو۔'' وہ نرم' خوشگوار انداز میں بولی تھی۔

''آپ یہ گلہ ایسے کرتی ہیں جیسے خود بھی واقف نہ ہوں کہ اب میرے لئے وقت کس کے پاس نہیں ہوتا۔'' چاہ کر بھی وہ بے زار نہیں ظاہر کر سکا تھا خود کو۔ ہاشم کی ماں کو ہاشم کے کارناموں سے وہ ہمیشہ الگ رکھتا تھا۔ ہر چیز کے باوجود!

''اس رات شادی میں بھی تم نے مجھ سے خاص بات نہیں کی۔ سونی کی پارٹی پہ اس نیکلیس والے واقعے کا....''

''مسز کاردار' آج آپ نے کیا کیا ہے؟'' اس نے اکھڑے خشک انداز میں بات کاٹی وہ تو تڑ نت بولی۔ ''اور کیا کیا ہے میں نے؟''

''مجھے نہیں معلوم آپ کیوں زمر اور فارس کی شادی کروانا چاہتی ہیں۔ مگر وجہ جو بھی ہو' میں نے بڑے ابا کو کہہ دیا ہے کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے کہتے گویا بات ختم کی۔

''تیسری دفعہ' سعدی؟'' وہ محظوظ' مزہ لینے والے انداز میں گویا ہوئی تو وہ الجھا۔

''سوری؟''

''پہلی دفعہ بچپن میں زمر کے جہیز کو آگ لگانا' اور دوسری دفعہ چار سال پہلے زمر کو ایک خطرناک کیس میں دھکیلنا۔ دو بار تم نے اس کی شادی نہیں ہونے دی۔ اب تیسری دفعہ رخنہ ڈالو گے؟''

''ایکسکیوزمی؟'' بے یقینی سے اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

''مشکل بات نہیں کی میں نے۔ تم نے خود بتایا تھا' بچپن میں وہ تمہیں اپنی شادی کی چیزیں دکھا رہی تھی' اور پھر وہ چلی گئی اور تم وہیں کھیلتے رہے' پھر کھیل کھیل میں آگ لگ گئی اور اس کا جہیز جل گیا۔''

''میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!'' کچھ دیر پہلے کے تنے تاثرات غائب تھے اور وہ پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بمشکل بول رہا تھا۔

''اور تم اچھی طرح جانتے تھے کہ تم کیا کر رہے ہو۔'' وہ شاید مسکرائی تھی۔ ''تم سے کھیل میں آگ نہیں لگی تھی۔ تم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی۔'' اس نے محظوظ سی سرگوشی کی اور وہ دم سادھے' سانس روکے بیٹھا رہ گیا۔

''میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!'' مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

''وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی' اور وہ شادی کے بعد کراچی چلی جاتی۔ تم جیلس ہو گئے تھے' اور ان سیکیور بھی۔ مجھے جب تم نے بتایا تھا' تب میں نے تمہاری آنکھیں پڑھی تھیں' بچے۔ وہ آگ تم نے خود لگائی تھی۔''

''میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار۔'' بدقت کہہ کر اس نے نچلے لب میں دانت پیوست کیے۔ جیسے ڈھیروں ضبط کیا۔ آنکھوں میں نمی آئی تھی۔

''مگر اب تم دس سال کے نہیں ہو۔ اب بڑے ہو جاؤ' اور اپنی پھپھو کو اس کی زندگی گزارنے دو۔ اس کے رشتے میں مداخلت مت کرو۔ کیونکہ جب تم مداخلت کرتے ہو تو وہ صرف نقصان اٹھاتی ہے۔''

''آپ.... آپ یہ اس لئے کہہ رہی ہیں تاکہ.... تاکہ میں اس معاملے سے خود کو الگ کر لوں اور آپ کا جو بھی مقصد ہے وہ پورا ہو جائے۔'' اس نے کمزور لہجے کو مضبوط کرنے کی ناکام جہد کی۔

''ہاں' میں اسی لئے کہہ رہی ہوں' مگر یہی سچ ہے۔ کیا نہیں ہے؟'' اور لمحے بھر کی خاموشی کے بعد فون بند ہو گیا۔

سعدی کتنی دیر چپ چاپ اس اسٹیپ پہ بیٹھا رہا۔ آنکھیں قدموں میں اگے گھاس پہ جمائے' وہ مسلسل لب کاٹ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا جواہرات اسے ڈسٹرب کرنا چاہتی تھی' مگر اس بات کا علم ہونا ڈسٹرب ہونے سے روک نہیں سکتا۔

.....❖❖❖.....

میں دلائل پہ تکیہ کر بیٹھا ..... آہ ! وہ وقت التجا کا تھا

کافی دیر بعد جب وہ اٹھ کر اندر آیا تو ندرت اور بڑے ابا مسلسل اسی بات پہ غور و خوض کر رہے تھے۔ وہ اس چہرے کے ساتھ نہیں آیا جس کے ساتھ گیا تھا۔ سوان کو وہیں چھوڑے' راہداری میں آگے چلا گیا۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور ملازم لڑکا صداقت اسٹول پہ بیٹھا' پیاز چھیلتے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر شرمندہ سا اٹھنے لگا مگر سعدی مزید آگے بڑھ گیا۔ زمر کے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ فائل پہ جھکا لیمپ جلا تھا' اور وہ گردن ترچھی کیے قلم سے کچھ لکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا۔ اسے دیکھ کر بھوری آنکھوں میں نرمی آئی' اور مسکرائی۔

''آؤ سعدی!'' سامنے کاؤچ کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ وہاں آ بیٹھا۔

''اور کیا ہو رہا ہے؟'' فائل بند کرتے ہوئے اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ سعدی نے بدقت مسکرانے کی سعی کی۔

''بس جاب چل رہی ہے۔ آپ.....'' وہ رکا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

''ابا نے بھیجا ہے مجھ سے بات کرنے کے لئے؟''

''جی' مگر..... میں آپ سے وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ جو دلائل پہ تکیہ کیے مزید چند فقرے بولنے جا رہی تھی' اپنے ازلی سپاٹ انداز میں بے تاثر سے فقرے' سعدی کی بات نے اسے روک دیا۔ وہ چونک کر سمجھی سے اسے دیکھنے لگی

''تو پھر.....؟''

''بڑے ابا نے کہا ہے کہ آپ اس شادی پہ راضی ہیں۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں زمر کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی' میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔'' سر جھکائے' انگلیاں مروڑتے بجھا بجھا سا کہہ رہا تھا۔ ''آپ بغیر کسی مجبوری یا دباؤ کے فیصلہ کریں' اپنی زندگی کا فیصلہ۔ میں آپ کو سپورٹ کروں گا۔''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سب کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی۔ آپ ان سے نفرت کرتی ہیں' اور پھر بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں۔''

زمر کے بظاہر پرسکون چہرے پہ سایہ سا لہرایا' مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے وہ کہے جا رہا تھا۔

''آپ کا دل بھی ان کی طرف سے صاف نہیں ہوا' لیکن اس سب کے باوجود بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں' تو میں آپ سے صرف ایک چیز چاہتا ہوں۔'' اس نے جھکی نظریں اٹھا کر زمر کو دیکھا جو دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''کیا آپ مجھ سے وعدہ کرتی ہیں کہ آپ فارس ماموں کو کبھی ہرٹ نہیں کریں گی؟''

زمر نے تھوک نگلا' یوں کہ اس کی آنکھیں گھنگریالے بالوں والے خوبصورت لڑکے پہ جمی تھیں۔ اور لب خاموش تھے۔

''کیا آپ مجھ سے وعدہ کریں گی کہ آپ کبھی بھی' ان کو دانستہ طور پہ نقصان نہیں پہنچائیں گی؟'' وہ برے اور بھیانک خوف

زیر اثر کہہ رہا تھا۔ زمر نے خواہ مخواہ چہرہ پھیر کر میز کو دیکھا' پھر لیمپ کو' پھر فائلز کو' اور پھر دوبارہ سعدی کو۔ اتنا بڑا وعدہ جو انتقام کے ہر ارادے کو مار ڈالے؟

''میں.... میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ آئی پرامس!'' چند لمحے بعد وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی اور دوبارہ تھوک نگلا۔ سعدی نے گہری سانس لے کر بھنوؤں پہ ہاتھ رکھے' سر جھکا دیا۔ گویا تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔ زمر ہنوز پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ مسکرایا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جو بھی چاہیں گی' میں وہی کروں گا اور کرواؤں گا۔'' زمر پھیکا سا مسکرائی۔ (اور جب وعدہ توڑے گا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؟)

''ابا چاہتے ہیں' میں اس سے شادی کرلوں' میں کرلوں گی سعدی۔''

''میں نے کہا نا' میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' وہ دروازے تک گیا' پھر رکا۔ مسکراہٹ مدھم ہو کر حزن میں بدلی۔ سر جھکائے' بنا مڑے دھیرے سے بولا۔

''اور مجھے معاف کر دیجئے گا' میری ہر اس چیز کے لئے جس نے آپ کو نقصان دیا۔ آئی ایم سوری' زمر میں جان بوجھ کر نہیں کرتا، پھر بھی میری وجہ سے کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے!'' اور پھر رکے بنا باہر نکل گیا۔

زمر نے کنپٹی کو انگلی سے مسلا۔ اسے لگا' انگلیوں میں لرزش ہے۔ چیئر گھما کر رخ دائیں طرف کیا تو سنگھار میز پہ لگا آئینہ سامنے آیا' اور اس کا عکس بھی۔ کرسی پہ بیٹھی' گھنگریالے خوبصورت بالوں والی لڑکی جس کے ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ مگر آنکھیں پریشان تھیں۔

تبھی اس کا فون بجا۔ وہ چونکی۔ غیر شناسا نمبر آ رہا تھا۔ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے' اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو۔''

''پراسیکیوٹر صاحبہ' مجھے تو پہچانتی ہوں گی آپ۔'' اور وہ فارس کی آواز کیسے نہیں پہچان سکتی تھی؟ فکرمند تاثرات بدلے۔ آنکھیں سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئیں۔

''جی فارس۔ کہیے۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ وقت آپ بتائیں' جگہ میں بتاؤں گا۔''

اس نے آنکھیں میچ کر بہت سی کڑواہٹ اندر اتاری' اور پھر ہموار لہجے میں بولی۔ ''او کے! کل شام چار بجے مل سکتی ہوں میں۔ مگر کدھر؟''

''اسی ریسٹورانٹ میں جہاں آپ کو بلا کر گولی ماری تھی میں نے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟''

زمر کی آنکھوں کی سرد مہری مزید بڑھی۔ ''شیور۔'' اور موبائل کا بٹن زور سے دبا کر کال کاٹی۔ اذیت سی اذیت تھی۔

❖❖❖

عکس چننے میں عمر گزری ہے ..... ایسا ٹوٹا ہے آئینہ مجھ سے

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی کا شور جاری و ساری تھا اور حنین نفی میں سر ہلاتی ادھر ادھر چکر لگاتی پھر رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی' اور تندہی سے صوفے پہ بیٹھے سعدی کو گھورا۔

''وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔''

''کیا تم چند لمحے کے لئے زمرا اور اپنے تمام اختلافات بھلا کر ان کے لئے غیر جانبداری سے نہیں سوچ سکتیں؟'' وہ تھک سا گیا تھا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی سامنے بیٹھی۔ ہاتھ سے ماتھے پہ کٹے بال ہٹائے جو پھر دوبارہ وہیں گر گئے۔

''وہ اصل بات چھپا رہی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بغیر کسی منفی وجہ کے ماموں سے شادی پہ راضی ہو جائیں۔'' وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے وہ بڑے ابا کہ کہنے پہ ایسا کر رہی ہیں' اور دل میں ابھی بھی ماموں کے لئے بغض ہوگا۔ شاید وہ سچ کی تلاش میں ہیں ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے' نا کہ ان پہ شک کرنا چاہیے۔''

''اوہ خدا۔ آپ لوگوں کو کیوں نہیں نظر آ رہا؟'' وہ متعجب' حیران پریشان تھی۔ ''وہ زمر یوسف ہیں' ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ فارس ماموں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں' اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''انہوں نے مجھے اپنی زبان دی ہے کہ وہ فارس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔'' وہ ایک ایک حرف بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور الجھی الجھی سی انگلی کا ناخن دانت سے کترنے لگی۔

''مگر....'' چند ثانیے بعد انگلی دانتوں سے نکال کر وہ حتمی انداز میں بولی۔ ''مگر میں ان پہ یقین نہیں کر سکتی۔''

''بس کر دو حنین۔'' ندرت کچن سے اکتا کر نکلیں۔ ہاتھ میں کفگیر تھا' گویا حنین کو دے مارنے کا ارادہ ہو۔ ان دونوں کے سامنے کھڑے' کمر پہ ہاتھ رکھے' وہ جب بولیں تو بے زار لگ رہی تھیں۔

''کوئی عقل ہے تم میں؟ وہ فارس کو برا بھلا کہتی تھی تب بھی ہم سب کو شکایت تھی' اب نہیں کہہ رہی' تب بھی تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔ جب ایک دفعہ اس نے اپنے الزامات واپس لے لئے تو اسے معاف کر دو اب۔''

''مگر وہ کیسے ہنسی خوشی ماموں سے شادی کر سکتی ہیں؟'' حنین اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولی۔ لاشعوری طور پہ کشن پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ادھر امی نے کفگیر گھمایا' ادھر اس نے کشن کو ڈھال بنایا۔

''کیونکہ اس میں تم سے زیادہ عقل ہے۔'' وہ بھی گویا تھک گئی تھیں۔ ''وہ بیمار ہے بیٹا' اس کے گردے خراب ہیں' اور بڑے ابا پہلے سے زیادہ بیمار رہنے لگ گئے ہیں۔ (حنہ نے آہستہ سے کشن چھوڑ دیا۔) اس کو فارس سے بہتر رشتہ نہیں ملے گا' وہ سمجھ چکی ہے۔ اس لئے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے گزشتہ رویے کا ازالہ کرنے جا رہی ہے۔ تو تم دونوں کیوں مین میخ نکال رہے ہو؟''

''نہیں' مجھے تو اب کوئی اعتراض نہیں۔'' سعدی نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے اور احتیاط سے کفگیر کو دیکھا جو ہنوز امی کے کمر پہ رکھے ہاتھ میں تھا۔ حنہ چپ چاپ لب کاٹتی رہی۔ چہرے کی خفگی اب تاسف اور ندامت میں بدل گئی تھی۔

''اچھا۔ ٹھیک ہے۔'' بس اتنا سا کہا' اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ندرت افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔

''اسے کیا ہو گیا ہے سعدی؟ یہ پہلے ایسی نہیں تھی۔''

سعدی نے گہری سانس لیتے ریموٹ اٹھا لیا۔

''امی.... ہم میں سے کوئی بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔''

ندرت کچھ منہ میں بڑبڑاتیں پلٹ گئیں۔ سعدی وہیں بیٹھا رہا۔ پھر ٹی وی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا۔ سیم اس کے لیپ ٹاپ پہ بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

''آپ کو کمپیوٹر چاہیے بھائی؟'' اسے آتے دیکھ کر تابعداری سے پوچھا۔

''اونہوں۔ تم بیٹھو۔'' اس نے جھک کر اسٹڈی ٹیبل کے نچلے دراز سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا۔ اور الماری تک آیا۔ پٹ کھول کر

احتیاط سے باکس کا ڈھکن الماری کے اندر کر کے ہٹایا۔ (سیم دور تھا۔ اس طرف اس کا رخ نہیں تھا۔) باکس کے اندر ایک پلیٹینم اور ہیروں کا بھلملاتا نیکلیس رکھا تھا۔ (جواہرات کا نیکلیس جو اسے واپس کرنا تھا۔) اور ساتھ میں سفید رنگ کی فلیش ڈرائیو۔ اس نے ڈرائیو نکالی' ڈبہ الماری کے اندر چھپا کر رکھا اور باہر نکل آیا۔

حنین اپنے بیڈ پہ بیٹھی ایک رسالے کے ورق پلٹ رہی تھی جب سعدی چوکھٹ میں آیا۔

''یہ وہ فائلز ہیں جو مجھ سے نہیں کھلیں۔ کیا تم انہیں کھول دو گی؟''

وہ چونکی۔ سر گھما کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب در آیا۔

''میں..... آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں' میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتی اب۔''

''کچھ دن اسے اپنے پاس رکھو۔ اگر موڈ بنے تو کر دینا۔ نہیں تو واپس دے دینا' مگر اسے رکھو' اور سوچو کہ تم میری مدد کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔''

وہ فلیش اس کی سمت بڑھائے ہوئے تھا۔ حنین کی آنکھوں میں خفگی تھی' مگر اس نے چپ چاپ وہ پکڑ لی۔ سعدی چلا گیا تو وہ اٹھی' الماری تک آئی' اس کے نچلے جوتوں والے خانے کے برابر بیٹھی۔ ایک بڑا باکس نکالا۔ اس میں وہ لیپ ٹاپ' ٹیبلیٹ اور دوسرے ایسے کئی gadgets رکھے تھے جو اورنگزیب کاردار نے اسے دیے تھے۔ علیشا کا لاکٹ بھی ادھر ہی تھا۔ حنہ نے وہ فلیش بھی ان ممنوعہ اشیاء کے ساتھ رکھ دی اور ڈبہ بند کر کے اندر دھکیل دیا۔

پھر گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوچنا کیا تھا؟ جوتے کر لیا تو بس کر لیا۔

.....❖❖❖.....

اپنے قاتل کی ذہانت پہ حیران ہوں میں ..... ہر روز ایک نیا طرزِ قتل ایجاد کرے

مئی کی چلچلاتی سہ پہر پورے شہر کو گویا جھلسا رہی تھی۔ ایسے میں اس پوش علاقے کا وہ ریسٹورانٹ خالی لگ رہا تھا۔ دور کوئی اکا دکا میز پر تھی' ورنہ گرمی نے کاروبار ٹھنڈا کر رکھا تھا۔

گھنگریالے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے' کہنی پہ پرس اٹکائے' سیاہ منی کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس زمر متناسب چال چلتی اندر داخل ہوئی اور سیدھی دروازے کے قریب ایک میز تک چلی آئی۔ گئے برسوں میں ایک روز ادھر زرتاشہ بیٹھی دکھائی دی تھی' اب وہ کرسی خالی تھی۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ بیٹھ گئی' اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ چار بج چکے تھے۔

ریسٹورانٹ کافی بدل چکا تھا۔ رنگ' فرنیچر۔ شاید مینیو بھی۔ مگر اسے تو ایک ایک تفصیل یاد تھی۔ سو کوشش کی کہ بھوری آنکھوں کو میز پہ رکھے گلدان پہ جمادے' اور ہلائے نہیں۔ ورنہ کچھ اندر تک ہل جاتا تھا۔

''لانگ ٹائم' میڈم!'' وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ آخری ملاقات کا منظر آنکھوں میں جھلملا دیا۔ جیل کا ملاقاتی کمرہ' اور میز کے پار بیٹھا سفید کرتے شلوار اور کسی ہوئی پونی والا فارس۔ (میں۔۔ معافی۔۔ نہیں مانگوں گا!) پھر منظر بدلا اور چار برس پہلے کی زرتاشہ اسٹرالیوں میں دبائے ادھر بیٹھی نظر آئی' اور اب..... اب وہ پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے' چھوٹے کٹے بالوں کے ساتھ' ہلکی سنہری آنکھوں کو سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

ان تینوں مناظر میں' زرتاشہ' جیل والا فارس' اب کا فارس' ان سب میں اگر کچھ مشترک تھا تو وہ زمر تھی۔ وہی بال' وہی سیاہ کوٹ' وہی سفید لباس۔ سب آگے بڑھ گئے یا پیچھے رہ گئے' ایک اسی کی زندگی رکی ہوئی تھی۔

''لانگ ٹائم' فارس!'' ویٹر نے آ کر مینیو کارڈ سامنے رکھے۔ زمر نے کافی منگوائی۔ فارس نے کچھ نہیں منگوایا۔

''تو کیوں ملنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھنڈا سا بولی۔

''آپ کے والد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کرلوں۔'' اس کے تاثرات دیکھنے وہ رکا۔ زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''مجھے معلوم ہے۔ انہوں نے مسز کاردار کے کہنے پہ ایسا کیا اور مسز کاردار نے میرے کہنے پہ۔''

فارس نے تعجب سے چہرہ ذرا پیچھے کیا۔ پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے زمر نے ابرو اٹھائی۔

''کیوں آپ کو کیا لگا تھا؟ میں جھوٹ بولوں گی' اداکاری کروں گی' یہ ظاہر کروں گی کہ آپ کو معاف کر دیا ہے یا بے گناہ سمجھتی ہوں اور دل سے اس شادی پہ راضی ہوں؟'' ذرا سے استہزاء سے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ مجھے بالکل نہیں جانتے فارس!''

وہ پیچھے ہو کر بیٹھا' کھوجتی مشتبہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی امید نہیں تھی کہ وہ خود ہی ہر شے کا اعتراف کر لے گی۔

''آپ نے مسز کاردار سے ایسا کرنے کے لیے کیوں کہا؟''

''کیونکہ مجھے چند دن پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے میرا رشتہ مانگا تھا اور میری امی نے انکار کیا تھا۔ اس سے پہلے میں اتنے سال یہ سمجھتی رہی کہ آپ نے مجھے صرف استعمال کی شے سمجھ کر استعمال کیا' کولیٹرل ڈیمیج۔ مگر اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ ذاتی جنگ تھی۔ میں مظلوم نہیں تھی' انتقام لیا تھا آپ نے مجھ سے۔'' وہ خبریں پڑھنے کے انداز میں کہے گئی۔ کافی آ گئی تو اس نے کپ اٹھا لیا۔ جلتا ہوا مائع لبوں سے لگایا۔

''اچھا۔ پھر؟'' وہ چبھتی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔

''اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ابا تب سے اب تک میری آپ سے شادی کروانا چاہتے ہیں۔ سو میں نے مسز کاردار سے کہا کہ وہ ایسا کروا دیں۔ میں آپ سے شادی کے لئے تیار ہوں۔ کافی اچھی ہے۔'' سراہ کر اس نے کپ واپس دھرا۔

''ہوں۔ اور کس لئے؟'' جواب میں زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''یہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے میں آپ سے آپ کے جرائم کا اعتراف کروا سکتی ہوں۔ اور مجھے یہی کروانا ہے۔''

''تو اگر آپ مجھ سے انتقاماً شادی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟''

''کیونکہ آپ کے برعکس میں کمر پہ وار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں آپ کو پہلے سے وارن کر رہی ہوں۔ میں یہ شادی آپ سے اعترافِ جرم کے لئے کر رہی ہوں۔ اس لئے آپ چاہیں تو یہ شادی نہ کریں' اور میرے ابا کو انکار کر دیں۔ فیصلہ آپ کا ہے۔'' کپ کے منہ پہ انگوٹھا پھیرتی وہ کہہ رہی تھی۔ فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔

''اس آپشن کا شکریہ' کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ جب وہ اپنے منہ سے کہہ چکے ہیں تو ان کو انکار کر دوں؟''

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''میں نے آپ کو مطلع کرنا تھا' کر دیا۔ مجھ سے شادی کریں گے تو اعترافِ جرم کرنا ہی پڑے گا ایک دن۔ آگے آپ کی مرضی۔'' کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔ پرسکون' مطمئن آنکھیں فارس پہ جمی تھیں۔

فارس آگے ہوا' میز پہ ہاتھ رکھ کر اس کی سمت جھکا۔ ''کیا آپ مجھے چیلنج کر رہی ہیں؟''

''سچائی بتا رہی ہوں!''

''اور یہ سچائی کتنے لوگوں کو مزید بتانے کا ارادہ ہے آپ کا؟''

''اگر آپ نے وہ جرم نہیں کیا تھا تو آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔'' کپ پرے کر کے اس نے بیگ کی اسٹریپ کندھے پہ ڈالی۔ سرد سا مسکرائی ''اور اگر آپ کو شادی پہ کوئی اعتراض نہ ہو تو اتنا خیال رکھیے گا کہ میرے بھتیجے' اور میرے ابا اس معاملے سے بے خبر رہیں جو ہمارے درمیان ڈسکس ہوا ہے۔ اس سب میں ان کو دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔''

''شیور!''اس نے تلخی سے گردن کو خم دیا۔

''کوئی اور سوال نہیں ہے تو میں جاؤں؟''اور پرس تھامے اٹھی' کرسی دھکیلی' اور جانے کے لیے مڑی۔

''صرف ایک سوال' میم!''وہ جیب سے والٹ نکالتے اٹھا۔سر جھکائے چند نوٹ نکالے' میز پہ رکھے اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ پاٹ لر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر میرے خلاف اس ساری ان تھک محنت کے بعد آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میں بے گناہ تھا' تو کیا کریں گی آپ؟''

زمر' جو اس کے مخاطب کرنے پہ رکی تھی' پرس پہ ہاتھ رکھے کھڑی' چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ نہیں ہیں!''

پھر مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا' یا اس نے جواب سوچا ہی نہیں تھا۔

فارس کان کی لو مسلتا' سوچتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

.....❖❖❖.....

ہو گلہ کسی سے کیوں اپنی مات کا ہی جب ..... شہہ جو دلا دیں وہ اپنے ہی تو مہرے ہیں

قصرِ کاردار میں اس رات ڈائننگ ہال میں کھانا چن دیا گیا تھا' اور ہاشم خالی سربراہی کرسی کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ بیٹھا' نیپکین پھیلا رہا تھا جب اس نے لاؤنج کی سمت سے جواہرات کو آتے دیکھا۔

''کس کا فون تھا؟''جواہرات پہلے سربراہی کرسی پہ بیٹھی' لٹ انگلی سے پیچھے کی' پھر کہنیاں میز پہ رکھے' دونوں ہاتھوں کو اوپر تلے رکھ کر تھوڑی ان پہ جمائے' مسکرا کر اسے دیکھا۔وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ میں ملبوس سر جھکائے پلیٹ اپنی طرف کر رہا تھا۔

''فارس کا۔''

چاول پلیٹ میں نکالتے ہاشم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''اتنا برا منہ مت بناؤ۔اس نے بتایا کہ وہ زمر سے شادی کے لئے راضی ہے' اور یہ کہ میں زمر کے والد کو مطلع کر دوں۔''

''کیا اسے یہ اطلاع اپنی بہن کو نہیں دینی چاہیے تھی؟''

''ان کو بھی دے گا۔مجھے تو بس یہ جتا رہا تھا کہ زمر نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے خود یہ بات شروع کرنے کے لئے مجھے کہا تھا۔''

کانٹے سے چاول لبوں تک لے جاتے ہاشم نے رک کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''زمر نے اسے کیوں بتایا؟''

''اسے مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔اسے لگا ہوگا کہ میں اس راز کو اس کے خلاف استعمال کر سکتی ہوں اسی لئے بتا دیا۔مجھے بھی اس کی امید نہیں تھی' مگر بہر حال' وہ ایک عقلمند عورت ہے۔''گہری سانس لے کر جواہرات نے سلاد کے پیالے سے چمچ بھر کر اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

''انتقام لینے کے ایک ہزار طریقے ہوتے ہیں۔اسے فارس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بالکل بھی یہ سب پسند نہیں آ رہا۔''وہ ناپسندیدگی سے کہتا' پلیٹ پہ جھکے کھا رہا تھا۔

''تمہیں کیا برا لگ رہا ہے؟''

''وہ شادی کے بعد ادھر.....''ابرو سے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کے پار دور سبزہ زار انیکسی کھڑی تھی۔''ادھر آ کر رہنے لگ جائے گی۔صبح شام مجھے اس کی شکل دیکھنی ہوگی۔ناقابل برداشت۔''منہ میں چاول رکھے برہم آنکھوں کے ساتھ چباتا رہا۔

''یہ ہمارے لئے زیادہ اچھا ہے۔تم دیکھتے جاؤ۔''وہ مسکرا دی۔

''شیر وکہاں ہے؟ کل بھی ڈنر پہ نہیں تھا۔'' تھوڑی خاموشی کے بعد ہاشم نے مقابل رکھی خالی کرسی کو دیکھ کر پوچھا۔

''دوستوں کے ساتھ باہر ہے۔شاید۔''

''آپ نے پوچھا نہیں یہ کون سے نئے دوست نکل آئے ہیں اس کے؟''

''خود ہی تو کہتے ہو اس پہ دباؤ نہ ڈالا کروں۔سو خاموش ہوں۔''

ہاشم نے نیپکین سے لب تھپتھپائے اور پھر اسے گویا میز پہ پرے پھینکا۔جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ برہم نظر آرہا تھا۔

''وہ ابھی تک شہری کی وجہ سے ایسا ہے؟''

''اس بات کو ڈیڑھ ہفتہ ہی تو ہوا ہے اتنی جلدی کیسے سنبھلے گا۔خیر تم بات کر کے دیکھ لو۔کیونکہ جب میں بات کروں گی تو پھر ایک ہی دفعہ کروں گی۔'' مسکراتے ہوئے مگر سرد لہجے میں کہہ کر وہ کھانے لگی۔

''پھر کبھی سہی۔'' ہاشم میز سے سیل فون اٹھاتا کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔البتہ اس کی آنکھوں میں ہنوز غصہ اور ناگواری موجود تھی۔

.....❖❖❖.....

تُو محبت سے کوئی چال تو چل! ..... ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھ کو!

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اس فلور پہ مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔سیڑھیاں ویران تھیں' البتہ لفٹ کی بیرونی اسکرین پہ نمبر بدلتا نظر آرہا تھا۔

دفعتاً لفٹ ادھر ہی رکی۔دروازے 'سس' کی آواز سے کھلے۔اندر سے اسٹریپ والا بیگ کندھے پہ ڈالے جینز 'ٹی شرٹ اور الٹی پی کیپ والا احمر نکلا۔ماتھے پہ کٹے بال اب کے کیپ کے اندر تھے اور لاپرواہ چہرے پہ وہی تاثرات تھے جو ہمیشہ ہوتے تھے۔لبوں کو گول کیے وہ مدھم سی سیٹی بجاتا اپنے دروازے تک آیا۔چابی لاک میں گھمائی۔اسے کھول کر اندر قدم رکھا۔

راہداری میں اسی طرح سیٹی بجاتا آگے آیا۔لاؤنج کی میز پہ بیگ رکھا اور کیپ اتاری ہی تھی کہ ایک دم کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

کچن کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ فارس اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔کہنیاں کاؤنٹر پہ جمائے' وہ سافٹ ڈرنک کے کین سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

''اوہ ایم جی!'' احمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر پلٹ کر راہداری کو اور پھر ہاتھ میں پکڑی چابیوں کو۔''کیا تم میرے گھر کا لاک توڑ کر اندر آئے ہو؟''

فارس نے گھونٹ بھرتے بھرتے رک کر چہرہ گھمایا۔چھوٹے سے فلیٹ کا جائزہ لیا۔

''یہ گھر ہے؟''

''کم از جیل نہیں ہے۔'' وہ جل کر کہتا کاؤنٹر تک آیا اور خفگی سے اسے دیکھا۔

فارس اسی گرے پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا جو سہہ پہر زمر سے ملاقات میں پہن رکھی تھی۔

''میں نے پوچھا' تم میرے اپارٹمنٹ میں داخل کیسے ہوئے؟''

''اے.....تمیز سے.....کیا تم مجھے آپ نہیں کہا کرتے تھے؟'' اسے گھور کر دیکھا اور کین اونچا کر کے آخری گھونٹ اندر انڈیلا۔

''تب ہم اتنے بے تکلف نہیں تھے۔'' خود ہی شانے اچکا کر' اپنے سوال پہ لعنت بھیجتا' وہ فریج تک آیا' اور کھول کر اندر جھانکا۔پھر دروازہ بند کر کے برا منہ بنا کر پلٹا۔

''آخری کین تمہیں ہی مبارک ہو غازی۔اب بتاؤ مزید کتنا اسلحہ چاہیے؟''

دوسرا اسٹول کھینچ کر اس کے ہمراہ بیٹھا اور رخ بھی اس کی طرف پھیر لیا۔جیل سے نکلتے ہی فارس نے اسے فون کر کے اسلحہ منگوایا تھا' جو اس نے ارینج کر کے دے بھی دیا تھا۔

''اسلحہ نہیں چاہیے۔''

''پھر؟''

''میں شادی کر رہا ہوں۔'' خالی کین ہاتھ میں گھماتے اس نے چہرہ موڑ کر احمر کو دیکھا۔احمر کا پہلے تو منہ کھل گیا۔پھر اس نے بند کر لیا۔پھر اثبات میں دو تین دفعہ سر ہلایا۔

''گڈ۔مبارک ہو۔''

فارس نے ابرو اٹھا کر ''بس یہی؟'' والے انداز میں اسے دیکھا۔

''اور کیا پوچھوں؟۔'' ناراضی سے سر جھٹکا۔پھر چھت کو دیکھتے ذرا سا سوچا۔

''ویسے کون ہے یہ بیچاری جس سے تم شادی کرنے جا رہے ہو؟''

فارس چند لمحے سوچتا رہا، پھر گہری سانس لی۔''چڑیل سے۔''

''نہ کرو بھئی۔'' احمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔''اب اتنی کوئی بری شکل کی بھی نہیں ہو گی جو اسے چڑیل کہا جائے' پتہ ہے یہ سب لڑکیاں....'' بولتے بولتے ایک دم اسے بریک لگی۔اسٹول سے جھٹکے سے اٹھا۔نہایت بے یقینی سے فارس کو دیکھا جو ہنوز بیٹھا کین کو ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

''وہ.....وہ چڑیل؟ نہ کرو یار.....وہ پراسیکیوٹر زمریوسف؟'' اس کے کندھے کو جھنجھوڑتا وہ واپس اسٹول پہ بیٹھا۔آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

''مگر کیوں؟ دماغ تو ٹھیک ہے؟'' وہ حیران پریشان سا پوچھے جا رہا تھا' دفعتاً ڈور بیل بجی۔

''کھانا منگوایا تھا۔لے آؤ۔پھر بات کرتے ہیں۔'' اس نے کین ڈسٹ بن کی جانب اچھالتے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو احمر کو چار و ناچار اٹھنا پڑا۔

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔میز پہ ٹیک اوے کے ڈبے کھلے پڑے تھے اور کھانا ختم ہوا چاہتا تھا۔

''میرا مشورہ مانو تو فوراً شادی سے انکار کر دو۔ورنہ جو زمر صاحبہ تمہیں برا پھنسائیں گی نا، یاد رکھو گے۔''

فارس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

''نہیں کر سکتا انکار۔اس کے باپ کے احسان ہیں مجھ پہ۔وہ نہ ہوتے تو میں یہاں نہ ہوتا۔''

''اور ان کی بیٹی نہ ہوتی تو واقعی تم 'یہاں' نہ ہوتے۔''

''بکو مت۔'' وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا پیچھے ہو کر بیٹھا۔بازو صوفے کی پشت پہ لمبا سا پھیلا لیا۔اوپن کچن کی سمت دیکھتے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''ویسے ایک بات سوچنے کی ہے۔اگر اس کو تم سے.....'' فارس نے نگاہیں اس کی جانب پھیر کر گھورا۔احمر رکا۔''اگر ان کو تم سے.....'' (تصحیح کرتے بات جاری رکھی) ''اعترافِ جرم کروانا ہے یا تمہیں مجرم ثابت کرنا ہے تو اس کے لئے شادی کرنے کی کیا ضرورت؟ مطلب' یہ

کام تو کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے نا۔''

''مجھے معلوم ہے وہ کیوں شادی کرنا چاہتی ہے! جب آخری دفعہ وہ جیل میں مجھے ملنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا' اچھا ہے جیل توڑ و اور باہر جاؤ' دوبارہ شادی کرو اور اس بیوی کو بھی مار دو۔ تم وائف کلرز کی سائیکی.... پتہ نہیں کچھ ایسا ہی بولا تھا اس نے۔'' ہلکے سے سر جھٹکا تو احمر کا منہ کھل گیا۔

''تم.... تم ان کے نزدیک وائف کلر ہو' اور... اور بیوی کو قتل کرنے والے ہمیشہ یہی تو کرتے ہیں۔'' احمر نے پر جوش انداز میں صوفے کے بازو پہ ہاتھ مارا۔ ''وہ پہلے قتل کے الزام سے بچ جائیں تو دوبارہ شادی کرتے ہیں' اور دوبارہ قتل کرتے ہیں دوسری بیوی کو۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تم انہیں بھی مارنے کی کوشش کرو گے اور پکڑے جاؤ گے۔''

''نہیں۔ اسے اچھے سے پتہ ہے کہ میں اسے نہیں ماروں گا۔ مگر باقی دنیا کو تو نہیں پتہ۔''

''مطلب؟'' احمر نے الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ دو انگلیوں سے تھوڑی کے بال نوچتے کہہ رہا تھا۔

''وہ مجھے زمر یوسف کے ارادہ قتل کے جرم میں پھنسانا چاہے گی۔ وہ واقعات کو اپنی مرضی سے ترتیب دے گی۔ ایسے کہ دنیا مان لے' فارس غازی نے پھر سے زمر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دفعہ لوگ اس کا یقین کر لیں گے۔''

احمر دم بخود بیٹھا سن رہا تھا۔ ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی' پھر اس نے گویا جھرجھری لی۔

''سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اس سے شادی کر رہے ہو؟ ابھی بھی وقت ہے یار۔ اس کے باپ کو انکار کر دو' یا یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔''

مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کے پاس میرا جرم ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میں اس کو نہیں گنواؤں گا۔ وہ اپنی پوری کوشش کر لے' تب بھی مجھے نہیں پھنسا پائے گی۔ پچھلی دفعہ اگر وارث کے قاتل مجھے سیٹ اپ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو وہ میری غلطی تھی۔'' وہ انگوٹھے کے ناخن سے تھوڑی مسلتا' میز پہ بکھرے ڈبوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ ''میرا بھائی قتل ہوا تھا تو مجھے زیادہ احتیاط کرنی چاہیے تھی' مگر مجھے لگا تھا....'' اس نے تلخی سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''کہ مجھے کوئی پھنسا نہیں سکتا۔ تب تک میں لوگوں کو گرفتار کرتا آیا تھا' کوئی مجھے کیسے گرفتار کر سکتا تھا؟ مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا اسٹپنی۔ اس دفعہ میں تیار ہوں۔'' حتمی سنگین لہجے میں کہہ کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ احمر ابھی تک فکرمندی سے اسے تک رہا تھا۔

''میڈم پراسیکیوٹر کا قصور نہیں ہے۔'' فارس نے اب کے نرمی سے اسے گویا تسلی دی۔

''ہاں وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا دے گی' تب بھی کہنا اس کا قصور نہیں ہے۔'' وہ جی جان سے جل گیا تھا۔

''اونہوں۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے بھائی کے دشمن اور میرے دشمنوں نے میری وجہ سے' مجھے پھنسانے کے لئے اس کو زخمی کیا۔ اگر وہ مجھے مورد الزام ٹھہراتی ہیں تو وہ غلط نہیں ہیں۔'' چابی اور فون اٹھا کر وہ راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

''مجھے پتہ ہے کیا لگتا ہے؟'' عقب سے احمر کی آواز پہ اس کے قدم ٹھہرے۔

''مجھے لگتا ہے یہ سب وہ بہانے ہیں جو تم نے گھڑے ہیں۔ اس کے ابا کے احسان' اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع' اس کے دکھوں کی وجہ تمہاری ذات کا ہونا۔ اونہوں۔ سب بہانے ہیں غازی۔'' وہ بکھرے ڈبے سمیٹتا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ فارس نہیں مڑا' وہیں رکا کھڑا رہا۔ آنکھیں بیرونی دروازے پہ لگی تھیں اور گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح دکھائی دی تھی۔ اسے پتہ تھا اسٹپنی کیا بکنے والا ہے۔

''تم اسے پسند کرتے ہو' اور اسے کھونا نہیں چاہتے۔ یہ پہلی وجہ ہے۔ باقی وجوہات اس کے بعد آتی ہیں۔''

''بکومت!'' وہ بنا پلٹے مدھم آواز میں بولا، تیز قدموں سے باہر نکلا اور دروازہ زوردار ''ٹھاہ'' سے بند کیا تو ڈبے اکھٹے کرتے احمر کے ہاتھ سے کچھ گرتے گرتے بچا۔

''آؤچ!'' اس نے خفگی سے راہداری کی سمت دیکھا۔ ''سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا' اسٹپنی۔ اونہوں۔ احمر۔'' ناگواری سے تصحیح کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

❖❖❖

کتنی عجیب بات ہے جو نہ چاہتا تھا میں ..... قسمت سے اس طرح کا مقدر ملا مجھے

یوسف صاحب کا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش اور اداس پڑا تھا۔ لاؤنج کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سب تاریک تھا' سوائے یوسف صاحب کی وہیل چیئر کے جسے وہ خود چلاتے، راہداری کی سمت لے جا رہے تھے۔ سناٹے میں پہیوں کی چیں چیں نے جیسے کوئی مدھم سا نوحہ بلند کیا۔ پھر اس میں زمر کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ بھی شامل ہوئی جسے دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔

وہ جائے نماز پہ بیٹھی دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے' سلام پھیر چکی تھی اور اب دعا مانگنے کی بجائے مخملیں جائے نماز پہ انگلیاں پھیرتی کچھ سوچ رہی تھی۔ آہٹ پہ چونک کر گردن موڑی۔ انہیں دیکھ کر نرمی سے مسکرائی اور رخ ان کی سمت پھیرتے ہوئے اکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنالیا۔ پھر نرمی سے پوچھا۔

''آپ سوئے نہیں ابھی تک؟'' بڑے ابا نے نم آنکھوں سے اس کا چہرہ تکا۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ گندمی چہرہ تھا۔ خوبصورت نہیں تھی وہ مگر اچھی شکل کی تھی۔ پرکشش۔ اور کچھ اس کا ٹھنڈا پرسکون انداز تھا جو اسے پرکشش بناتا تھا۔ وہ بھگو بھگو کر اور لپیٹ لپیٹ کر بھی اسی ٹھنڈے انداز میں مارا کرتی تھی' اور اپنی نرمی' اور تلخی کے باوجود وہ ان کو بہت پیاری تھی۔

''تم ناراض ہو کیا؟'' انہوں نے اس کا سوال شاید سنا ہی نہیں۔ بس گیلی آنکھوں سے دیکھتے اپنی پوچھ گئے۔

''نہیں ابا۔ میں کیوں ناراض ہوں گی؟''

''تم نے سعدی سے کہا کہ تم شادی کرلوگی فارس سے۔ کیا یہ ناراضی میں کہا؟'' زمر کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں مگر وہ ان کو چھپا کر مسکرادی۔

''زمر سے کوئی زبردستی کروا سکتا ہے کیا؟''

''پھر بیٹے تم کیوں شادی کرلوگی اس سے؟ تم انکار کرنا چاہتی ہو تو کردو۔ میں ساری بات یہیں ختم کردوں گا۔ وہ بھی پتہ نہیں کیسے میں مسز کاردار کی وجہ سے وہ سب فارس سے بول گیا....'' شکستگی سے نفی میں سر ہلاتے وہ سخت رنجیدہ خاطر لگ رہے تھے۔

''اس روز جس شادی پہ میں سعدی لوگوں کے ساتھ گئی تھی نا' ادھر میں نے حماد کو دیکھا۔ کرن بھی ساتھ تھی اور دو بچے بھی۔'' وہ اداسی سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''تب میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ورنہ میں صرف خود کو اور باقی سب کو نقصان دوں گی۔ اس لئے اب میں اس فیصلے پہ عملدرآمد کرنے جا رہی ہوں' تاکہ ہم سب کی زندگی میں بہتری آئے' ہم سب اس ناسور سے جان چھڑالیں جو چار برس قبل ہماری زندگی میں آیا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے' مگر تم دل سے فارس سے شادی پہ راضی ہو؟''

''میں اپنی زندگی سے یہ ناسور اکھاڑ پھینکنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوں ابا' فارس سے شادی تو چھوٹی بات ہے۔'' وہ بہت ضبط سے مسکراتی' اس کا نام لے کر کہہ رہی تھی۔

''اور....تم نے اس کی طرف سے اپنا دل صاف کرلیا کیا؟'' ان کے چہرے پہ امید جاگی تھی' پھر بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔

''میرے خیالات اس کے بارے میں بالکل کلیئر ہیں' اگر کوئی ابہام تھا بھی تو وہ دور ہو چکا ہے۔ میں اس سے ملی تھی شام میں' ہم دونوں نے اس بارے میں بات کی' اپنی ترجیحات بتائیں' اور وہ میری طرف سے مطمئن تھا۔ جب ہی اس نے رضامندی ظاہر کردی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے متعلق میرے دل میں کوئی میل نہیں' کوئی بغض نہیں' مگر اتنا کہوں گی کہ اس شادی کے بعد کم از کم ہم سب سچائی سے واقف ہو جائیں گے۔'' اس نے سچ سچ سب بتادیا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے اور ابا کیا سمجھیں گے۔

''اچھا تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟'' انہوں نے قدرے تسلی بخش انداز میں سر ہلاتے ہوئے صرف اپنی خواہش کا مطلب سمجھا۔

''جی' بالکل۔ اس نے تحمل سے میری فیلینگز سنیں اور پھر وہ رضامند ہوگیا۔ اور اگر وہ راضی ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں اس سے شادی کر کے' ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہوں گی ابا' اور یہی سفر ہم سب کو حقیقت پسند بنائے گا۔'' اور پھر وہ نرمی سے مسکرائی۔ بڑے ابا نے بازو بڑھا کر اس کا دوپٹے میں لپٹا سر تھپکا' اور ہلکی سی مسکراہٹ اور ڈھیروں سکون کے ساتھ واپس پلٹ گئے۔ جب ان کی وہیل چیئر باہر نکل گئی تو زمر کی آنکھوں کی نرمی' عجیب سی تکلیف میں بدل گئی۔ وہ سست روی سے اٹھی اور دروازہ بند کیا۔ پھر دروازے سے کمر لگا کر چند لمحے کھڑی رہی۔

''قاتلوں کو ہم اس لئے سزا دیتے ہیں ابا تاکہ وہ مزید معصوم لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیلیں۔ اس شخص نے ہمیشہ انہی کو نقصان دیا ہے جو اس کے لئے اپنائیت رکھتے تھے۔ اور اب آپ سب اس کے لئے اپنائیت رکھتے ہیں۔ یہ صرف میرے لئے نہیں ابا۔ یہ ہم سب کے لئے ہے۔ ہمیں فارس غازی نامی ناسور کو اپنی زندگیوں سے اسی طرح نکالنا ہوگا۔'' اداسی سے سوچتی وہ دوپٹے کی تہیں چہرے کے گرد سے کھولنے لگی۔

.....❖❖❖.....

اتنا بھی صبر و شکر کا قائل نہیں یہ دل ..... کہ ہر کیفیت میں آپ کے گن گائے جائے گا

اگلی صبح شہر پہ پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ چھوٹا باغیچہ دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ گھاس دہک رہا تھا۔ پھول جل رہے تھے۔ ایسے میں گھر کے اندر کولر کی ٹھنڈی' نم ہوا نے گرمی کو کم کر رکھا تھا۔ اور وقفے وقفے سے اس کولر سے اڑتے پانی کے چھینٹے کبھی سامنے بیٹھے فارس کو جا چھوتے تو کبھی حنین کو آ لگتے۔

ندرت لینڈ لائن کا ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھیں اور ٹیک لگا کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا فارس' جس کا ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا تھا' انہیں دیکھ رہا تھا۔ مقابل صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی حنین گھٹنوں پہ آم کی پلیٹ رکھے' بیزار سی قاشیں کاٹ رہی تھی۔

''جی۔ یہ فارس نے ہی مجھ سے کہا ہے بڑے ابا۔'' ندرت نے کہنے کے ساتھ فارس کو دیکھا۔

''جی وہ اسی اتوار کی بات کر رہا ہے۔ جی ابا میں نے بھی اسے کہا تھا کہ اتوار میں صرف تین ہی دن ہیں' مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ زمر سے پوچھ کر بتادیں' اگر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے تو.....'' وہ رک کر بات سننے لگیں۔ چہرے پہ سکون اور خوشی تھی۔

''جی ابا۔ ٹھیک ہے۔ میں فارس کو بتادیتی ہوں۔ شکریہ ابا۔'' فون رکھ کر وہ اس کی جانب مڑیں۔

''وہ کہہ رہے ہیں' نکاح کے لئے اتوار کا دن ٹھیک ہے۔ مان گئے ہیں۔''

فارس نے تعجب سے ابرو اکھٹے کیے۔ ''اپنی بیٹی سے بات کیے بغیر؟''

''ان کا کہنا ہے کہ جب دوسری طرف سے تاریخ مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے دو دفعہ بھی تو یہی ہوا تھا نا۔ اب وہ ڈر گئے

ہیں۔مگر تم مجھے بتاؤ' اتنی جلدی مچانے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''زیادہ دیر کی تو شاید میں اپنا ذہن بدلوں۔'' ہلکے سے شانے اچکا کر وہ کولر کی سمت دیکھنے لگا۔

''دو دن میں کیا تیاری ہوگی؟ مانا کہ صرف گھر کے لوگ ہوں گے مگر کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔''

''امی میرے کپڑے بھی لینے ہیں۔'' حنین نے قاش کھاتے لقمہ دیا۔

''میرے کپڑے بھی۔'' اندر سے سیم نے گلا پھاڑ کر پکارا۔

''ہاں' بس زمرکا ڈریس لوں یا نہیں' تم لوگوں کی چیزیں پوری ہونی چاہیے۔اٹھو' نماز پڑھو۔'' جل کر کہتیں، گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کمرے کی طرف چل دیں۔

''ابھی بھی وقت ہے' انکار کر دیں' ماموں۔'' حنہ نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

''میں سن رہی ہوں حنین۔فضول بکواس مت کیا کرو۔اٹھو نماز پڑھو۔'' اندر سے امی کی غصیلی آواز یہاں تک آئی مگر وہ سکون سے آم کی قاش کو دانتوں سے منہ کے اندر لے جاتی رہی۔

''میں انہیں انکار نہیں کر سکتا۔ان کے مجھ پہ احسان ہیں۔'' اس نے آواز دھیمی کر لی۔حنین پیلے رس والے ہاتھوں سے چھلکوں کی پلیٹ اٹھائے کھڑی ہوئی اور کچن میں چلی گئی۔جب واپس آئی تو ہاتھ منہ دھلا ہوا تھا۔سنجیدگی سے اسے دیکھتی اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی۔

''امی سے کہہ دیں' وہ انکار کر دیں گی۔'' نیا آئیڈیا پیش کیا۔

''کیوں چاہتی ہو میں انکار کروں؟''

''کیونکہ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔آپ غلطی کرنے جا رہے ہیں۔وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں' پھر کیسے رہیں گے ان کے ساتھ؟''

''تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا؟''

حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔''کیا نہیں بھولے؟''

''چار سال!'' فارس نے انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اسے دکھائیں۔''چار سال اس عورت نے جو میرے ساتھ کیا' مجھے جس طرح ذلیل کیے رکھا' پوری دنیا کے سامنے مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کی' میرا ساتھ نہیں دیا' وہ سب بھولا نہیں ہوں میں۔'' اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سختی در آئی تھی۔

حنین بالکل رک کر اسے دیکھنے لگی' پھر چہرہ نفی میں ہلاتی پیچھے ہٹی۔

''تو آپ یہ شادی مجبوری میں' زبردستی نہیں کر رہے؟ آپ ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلی تھی۔

''نہیں' صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔''

مگر حنہ نے اونہوں نفی میں گردن ہلائی۔''یو نو واٹ ماموں' آپ یہ شادی کر لیں۔آپ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں۔'' جل کر کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔فارس ہلکا پھلکا سا مسکرایا۔اسے حنہ کی بات نے لطف دیا تھا۔گردن اٹھا کر اسے دیکھا جو پہلے کی طرح اب عینک نہیں لگاتی تھی۔

''عینک والی حنہ کہاں گئی؟'' اس کے چہرے پہ کچھ کھوجتے وہ جیسے سوچنے لگا۔

''آپریٹ کروالی تھیں آنکھیں۔اب تو عینک بھول بھال گئی۔'' اس نے نظریں چرا لیں۔ادھر ادھر دیکھنے لگی' پھر دوبارہ اسے دیکھا تو ہنوز پرسوچ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

''تم میں کچھ بدل گیا ہے۔'' چند دن لگے تھے مگر اس نے بھی بھانپ لیا تھا۔اور حنین نے بے اختیار سوچا کہ پچھلا ڈیڑھ برس زیادہ اچھا تھا جس میں اتنے رشتے داروں سے میل ملاپ نہیں ہوا اور کسی نے اس سے یہ بات نہیں کہی جوان ڈھائی ہفتوں میں کئی لوگ کہہ چکے تھے۔

''ویسی ہی ہوں۔اتنا ہی کھاتی ہوں۔اتنا ہی بولتی ہوں۔آپ بات کو بدلنے کی کوشش نہ کریں۔'' خفگی سے کہتے اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے امی کی چنگھاڑ سنائی دی۔

''سیم' حنین' میں جوتا اتاروں گی تو تم لوگ اٹھو گے نماز کے لئے؟''

حنین نے پیر پٹخ کر ریموٹ رکھا اور غصے سے بڑبڑائی۔''پتہ نہیں ان زبردستی کی نمازوں کا کیا فائدہ۔'' اور سر جھٹک کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

فارس ٹی وی کی اسکرین کو دیکھتا کچھ سوچتا رہا۔

❖❖❖

ایک شکست کے بدلے مجھ کو سب کے سب الزام نہ دے ..... کچھ کچھ تیری بات ہے سچی لیکن پوری ٹھیک نہیں!

اگلی صبح قصرِ کاردار پہ سنہرے پر پھیلائے یوں روشن ہوئی کہ برآمدے کے اونچے سفید ستون سونے کی مانند چمکنے لگے۔ایسے ہی ایک ستون کے ساتھ ہاشم موبائل پہ بٹن دباتا چلا آرہا تھا۔گرے پن اسٹرائپ سوٹ میں ملبوس' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ آفس کے لئے تیار تھا۔ساتھ چلتی جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا' وہ کوئی میسج ٹائپ کرتے' اوپری زینے پہ رکا تھا۔نیچے سبزہ زار پہ کار تیار کھڑی تھی۔ایک ملازم نے بریف کیس اندر رکھ دیا تھا' دوسرا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

پیغام بھیج کر اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔''آپ آرام سے آئیں گی آفس؟''

''ہوں۔دس بجے تک۔''

''شیرو کو لے کر آیئے گا' میں....'' فون کی بجتی گھنٹی پہ وہ رکا' ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔''ہاں بولو۔اچھا۔ہاں ٹھیک ہے' تم میری ایجنیو کو دے دو کام' وہ سنبھال لے گی۔'' فون بند کر کے جواہرات کا گال چومنے آگے بڑھا کہ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ہاشم پہلے حیران ہوا' پھر جواہرات کی بے یقینی سے پھیلی آنکھوں کو دیکھا تو گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔

''مجھے اس سعدی والے معاملے نے مصروف کر دیا' ورنہ میں آپ کو بتانے والا تھا۔''

''کیا تم نے کہا' میری ایجنیو؟'' وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جانا چاہیے۔''

''کیا تم نے کہا میری ایجنیو؟'' وہ مضطرب مگر بلند آواز میں بولی۔

''میں نے اسے ڈی پورٹ نہیں کروایا' اس کی ایجنسی سے بھی بات نہیں کی۔آپ سے کہا تھا کروں گا' مگر نہیں کیا۔مجھے فیکٹری میں کچھ لوگوں کی نگرانی کروانی تھی' میری سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا' سو میں نے اسے روک لیا۔''

''تم یہ کیسے کر سکتے ہو ہاشم؟'' جواہرات کا اضطراب غصے میں ڈھلنے لگا۔''کیا تم بھول گئے اس نے میرا نیکلیس چرایا تھا۔''

''وہی نیکلیس جو ڈیڑھ ہفتے سے سعدی کے پاس ہے؟''

''بات چوری کی ہے! اس نے اعترافِ جرم بھی کر لیا تھا۔''

''یہی بات اس کو زیادہ قابلِ اعتبار بناتی ہے ممی۔اس نے چوری کی' مگر پھر جھوٹ نہیں بولا۔وہ کتنے سال ہمارے خاندان کے

ساتھ وفادار رہی ہے' اس کا بچہ بیمار تھا' اس لئے اس نے یہ کر دیا۔''

''تم کیسے اس کو دوبارہ کام پہ رکھ سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' وہ اب تک بے یقین تھی۔

''ریلیکس ممی۔ صرف ایک مہینے کی بات ہے' میرا کام ہو جائے' میں اسے واپس بھجوا دوں گا۔''

''وہ پھر کوئی ایسی حرکت کرے گی ہاشم' تمہیں اس پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیوں فکر کرتی ہیں؟ ہاشم سب سنبھال لے گا۔ صرف ایک مہینہ ہی تو ہے' ممی۔'' اس کے کندھے کے گرد بازو رکھ کر گویا تسلی دی' اور مسکرا کر الوداعی کلمات کہتا برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ جواہرات سفید پریشان چہرہ لئے کھڑی' اضطرابی انداز میں لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

(ڈیڑھ سال لگا اسے ہاشم کی وفادار ملازمہ کا بھروسہ توڑنے میں' اتنی مشکل سے ایسے اس سے جرم کروایا کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس کا اصل جرم کیا تھا۔ اور اس سب کے باوجود بھی وہ اسی شہر میں تھی۔ مگر وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاشم کو شک ہو گیا تو... نہیں۔) وہ نفی میں سر ہلاتی اندر کی طرف مڑ گئی۔

ہاشم کی کار جب مرکزی گیٹ تک آئی تو ایک دوسری کار اندر داخل ہو رہی تھی۔ ڈرائیونگ اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی شہرین کا چہرہ دیکھ کر ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ ایک اشارہ ڈرائیور کو کیا' دوسرا مقابل کار میں موجود شہرین کو۔ ڈرائیور نے کار سائیڈ پہ لگا دی اور باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد' پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر شہرین ساتھ بیٹھی۔ وہ صبح کی مناسبت سے سفید بنا آستین کی اونچی قمیض اور بیج ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ سنہرے باب بال چونچ کی صورت چہرے کے اطراف میں آتے' سائیڈ کی مانگ' اور سنہرے چہرے پہ شدید فکرمندی کی کیفیت۔

''میں تمہیں تین دن سے کال کر رہی ہوں' تم اٹینڈ نہیں کر رہے۔'' اس کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی مضطرب سی کہنے لگی۔ ''ہاشم میں سونیا کی ماں ہوں' میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی؟''

وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا' آخری بات پہ ہاتھ رکا۔ سخت نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہیں یہاں اس لئے بٹھایا ہے تاکہ ملازموں کے سامنے تماشہ نہ بنے۔'' (شہرین نے بے اختیار چہرہ موڑ کر دیکھا۔ دور کھڑا ڈرائیور۔ داخلی گیٹ پہ مامور سیکیورٹی اہلکار۔) ''تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں جن میں سے دو تم ضائع کر چکی ہو۔ جو کہنا ہے کہو اور چھٹے منٹ سے پہلے تمہیں میری کار سے باہر ہونا چاہیے۔''

''میں نے فلائٹ آگے کروانی ہے۔ سوموار اور منگل کی درمیانی رات کو جانا ہے۔ صرف ایک مہینے کے لئے۔ پلیز سونی کو میرے ساتھ جانے دو۔''

''سونی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ بات ختم۔'' تنے ابرو اور خشک لہجے کے ساتھ اس نے کہا تو شہرین کے چہرے کی پریشانی بڑھ گئی۔

''ہاشم ایک ہفتے سے میں نے سونی کو دیکھا تک نہیں ہے۔' کیونکہ وہ تمہارے گھر ہے' میں....''

''وہ اپنے باپ کے گھر ہے اور اب یہیں رہے گی۔''

''میں اس کی ماں ہوں۔''

''یہ بات تمہیں میرے خلاف اس لڑکے کی مدد کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔'' تلخی سے کہتے ہاشم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس نے ہاشم اور اپنے درمیان سیٹ کا فیبرک بے بسی سے بھینچا۔

''وہ میرا دوست ہے' وہ میرے کئی کام کر چکا ہے۔ میں صرف اس کا فیور لوٹا رہی تھی۔ وہ تمہارا دوست ہے' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ

تمہارے خلاف کچھ کر رہا ہوگا' میں تو اسے کوئی ایڈونچر سمجھی تھی۔''

''ہر چیز ایڈونچر نہیں ہوتی شہری۔'' درشتی سے کہتے اس نے دور کھڑے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

''اسے کہو جو اس نے میرا چرایا ہے' وہ واپس کر دے تو میں سونی کو تمہارے ساتھ جانے دوں گا' ورنہ نہیں۔''

''وہ تو مجھ سے بات بھی کرنے کا روادار نہیں۔ وہ....''

''تمہارے پانچ منٹ تمام ہوئے۔ اب جاؤ۔'' اور موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ شہرین بے بسی سے اسے دیکھتی رہی' پھر دروازے کی طرف مڑی' اسے کھولا' اور ہیل والا پیر زمین پہ رکھا ہی تھا کہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دباتا ہاشم دھیمے سے بولا۔

''اور وہ میرا دوست نہیں ہے۔ ہاشم کے دل سے جو اتر گیا' سو اتر گیا۔''

شہرین ایک پاؤں روش پہ رکھے' دروازہ پکڑے چند لمحے کو بالکل سن سی رہ گئی۔ گلے میں آنسوؤں کا گودا سا پھنسا' مگر پھر آنکھوں کی نمی اندر جذب کر کے وہ گردن کڑا کر باہر نکلی اور دروازہ دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی تو وہ مڑی۔ پتھریلی سڑک اوپر جاتی تھی اور اٹھان پہ قصرِ کاردار تھا' پرعزم آنکھوں سے اس نے اس اونچے محل کو دیکھا' اور قدم قدم اوپر چڑھنے لگی۔ اس گھر میں ابھی ایک اور شخص تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا ..... جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تنِ داغ داغ لٹا دیا

یوسف صاحب کے بنگلے میں وہ صبح پہلے سے زیادہ مصروف طلوع ہوئی تھی۔ لاؤنج میں بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے' بار بار فکر مند نگاہ اٹھا کر زمر کے کمرے کی سمت دیکھتے تھے جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ فجر کے ساتھ ہی یہ ہلچل شروع ہو چکی تھی اور اب تک جاری تھی۔

''صداقت' یہ باکس پکڑاؤ۔'' ''صداقت' یہ کتابیں اس کارٹن میں ڈالو۔'' ''صداقت' یہ گیرج میں رکھ آؤ۔'' ساتھ میں زمر کی ہدایات بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بڑے ابا خاموشی مگر بے چینی سے راہداری پہ نگاہیں مرکوز کیے بیٹھے اس دوہرے جوتے کا انتظار کر رہے تھے جو زمر نہیں پھینک رہی تھی۔

دفعتاً وہ آتی دکھائی دی۔ رف کپڑوں میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے' دونوں ہاتھوں میں خاکی کارٹن پکڑے اس نے لاؤنج کے فرش پہ کارٹن دھرا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''صداقت۔'' کارٹن کا چار ٹکڑوں والا ڈھکن بند کرتے اس نے آواز دی۔ وہ بھاگا آیا۔ ساتھ ہی ڈکٹ ٹیپ اور قینچی اسے تھمائی۔

''اس میں میرے اہم ڈاکومنٹس ہیں' جب فارس صاحب کے گھر جاؤ تو ان کو میرے دوسرے سامان کے اوپر رکھنا' کسی چیز کے نیچے نہ دے دینا۔'' ٹیپ سے ڈھکن کو سیل کرتے وہ سادگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

''جی باجی۔'' وہ تابعداری سے سر ہلا رہا تھا۔ جب کارٹن بند ہو گیا تو اسے اٹھا کر گیرج میں رکھنے چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں واپس جانے لگی کہ ابھی اور بہت کام رہتا تھا۔

''تم یہ کن کاموں میں لگی ہو؟'' وہ اکتا چکے تھے۔

زمر گہری سانس لے کر ان کی طرف مڑی۔ ''آپ نے خود ہی کہا کہ سنڈے کو میری شادی ہے' تو اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔''

''کیا تمہیں برا لگا ہے؟ اگر کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ' میں....''

''ابا' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پریشان مت ہوں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے جلد شادی سے کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بس آپ کی فکر ہے۔''

''میں سعدی کے گھر چلا جاؤں گا' یہ گھر مہینے کے آخر تک خالی کر دوں گا۔''

''اور سب کچھ سمیٹنا تو مجھے ہی ہے نا۔'' نرمی سے مسکرا کر ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم نے اپنے کپڑے نہیں لئے۔'' ان کی پریشانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''بھابھی نے کہا تھا' وہ شام کو آئیں گی اور ہم اکٹھے جا کر لے لیں گے۔'' وہ نرم آنکھوں سے مسکراتی رسان سے بتا رہی تھی۔ بڑے ابا نے متفکر نظروں سے اس کا چہرہ کھوجا۔

''مگر تم اس جلد شادی سے خوش تو ہو نا؟''

''ابا۔ جو بعد میں ہونا ہی ہے' تو اسے ابھی کر لینا چاہیے۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ اچھا میں اب اپنے کپڑے پیک کر لوں۔'' ان کی تسلی کروا کے وہ آستین فولڈ کرتی راہداری میں آگے چلتی گئی۔ ابا نے بس سر ہلا دیا۔

وہ کمرے میں آئی اور کھلے سوٹ کیس کو دیکھا جس کے ساتھ ہینگرز میں ٹنگے کپڑے پڑے تھے۔ اس نے ان کو ہینگرز سے اتار کر تہہ کرنا شروع کیا۔ تبھی راہداری میں قدموں کی آواز آئی۔

''صداقت' یہ جو شاپرز ہیں' ان کو....'' مصروف انداز میں کہتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو یکدم منجمد ہو گئی۔

چوکھٹ میں صداقت کھڑا تھا۔ سر جھکا تھا۔ ذرا شرماتا' ذرا ہچکچاتا۔ دو ہاتھوں میں خاکی لفافے میں لپٹا ہوا کچھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

''باجی.... وہ جو میری چاچی آئی تھی نا اس دن گاؤں سے؟ کل وہ پھر آئی تھی۔ اس کو بتایا تھا کہ باجی کی شادی ہونے والی ہے۔ یہ وہ گاؤں سے لائی تھی آپ کے لئے۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور خاکی لفافے میں لپٹی شے بڑھائی۔

''یہ.....'' زمر نے اسے تھاما' اور لفافہ ہٹا کر دیکھا۔ اندر شیشوں اور کڑھائی والی شال تھی۔

''ہمارے ہاں جی بیٹیوں کو شادی پہ یہ ضرور دی جاتی ہے۔ تو میں نے چاچی سے کہا کہ ایک باجی کے لئے بھی لے آئے۔'' انگلیاں مروڑ کر' سر جھکائے شرماشرما کر صداقت کہہ رہا تھا اور زمر بس ہاتھ میں پکڑی شال کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ بہت خوبصورت ہے صداقت۔'' وہ بمشکل پھیکا سا مسکرائی۔ ''چاچی کو شکریہ کہنا' مگر.... تم نے خواہ مخواہ اتنا خرچہ کیا۔ میری شادی....'' حلق میں کوئی پھندا سا لگا۔ ''کوئی عام شادیوں کی طرح تھوڑی ہے؟''

''پر باجی' شادی تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے' جیسے بھی ہو۔'' اس نے کوئی فلسفہ گھڑنا چاہا مگر نہیں گھڑ پایا۔ سو جلدی سے شاپرز اٹھانے لگا۔

''ان کو باہر رکھ آتا ہوں جی۔'' وہ چلا گیا اور زمر کھڑی اس شال کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

پھر شال ہاتھوں میں پکڑے' وہ ایک دم باہر نکلی۔ راہداری میں وہ ٹھہری۔ ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''ابا' میں یہ شادی نہیں کروں گی۔ یہ اصلی شادی نہیں ہے۔ میں صرف اس کو برباد کرنا چاہتی ہوں'' وہ اتنا ہلکا بڑبڑائی کہ خود کو بھی سنائی نہ دیا' ابا تو کافی دور تھے۔ پھر یکایک انہوں نے گردن موڑی تو دیکھا' وہ راہداری میں کھڑی' پیکٹ ہاتھوں میں پکڑے' انہیں دیکھے جا رہی ہے۔

''کوئی بات ہے زمر؟''

وہ ''جی'' میں سر ہلاتی قریب آئی۔ ان کے بالکل مقابل آ کھڑی ہوئی۔ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے' پھر بند کر دے۔

''ابھی فارس کا فون آیا تھا۔'' وہ اسے خاموش دیکھ کر خود ہی بتانے لگے۔ ''اس نے کہا کہ کاردار خاندان میں سے کسی کو شادی پہ نہ

بلایا جائے۔ گو کہ میں مسز کاردار کو مدعو کرنا چاہتا تھا' مگر میں نے پھر بھی فارس کی بات مان لی۔ وہ سمجھدار ہے۔ کچھ سوچ کر کہہ رہا ہوگا۔''

''آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟'' زمر کے چہرے کی فکرمندی اور بے چینی اب قدرے ٹھنڈے تاثرات میں ڈھلنے لگی تھی۔

''کوئی بھی وجہ ہو' مجھے فارس پہ پھروسہ ہے۔ وہ غلط فیصلہ کر کے مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟'' انہیں دوبارہ خیال آیا کہ وہ ادھر کیوں آ کھڑی ہوئی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''جی۔ میں یہ دکھانے آئی تھی۔ دیکھیں صداقت کیا لایا ہے میرے لئے۔'' ٹھنڈے' نرم انداز میں کہتی وہ پیکٹ کھول کر ان کو دکھانے لگی۔ صداقت اندر آیا تو وہ دونوں شال کھول کر دیکھتے اس پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ شرما کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

.....❖❖❖.....

کوئی تعویذ ہو ردِ بلا کا ..... میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

شہرین چیونگم چباتی' آنکھوں پہ ڈارک گلاسز لگائے' گردن کڑا کر چلتی قصرِ کاردار میں داخل ہوئی تو سامنے لاؤنج کی اونچی کرسی پہ جواہرات کو بیٹھے دیکھا جو ملکہ کی شان سے براجمان' گھٹنوں پہ رکھا اخبار کھولے دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے شہرین کھڑی تھی۔

''گڈ مارننگ مسز کاردار۔ سونی کہاں ہے؟'' سن گلاسز اونچے کر کے بالوں پہ چڑھاتے اس نے ادھر ادھر دیکھتے پوچھا۔ یہ سعدی کو لیپ ٹاپ کا پاسورڈ دینے کے بعد پہلی دفعہ تھا جب وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی' اور اسی لئے جواہرات سے نگاہیں ملانے سے احتراز کر رہی تھی۔

''اپنے کمرے میں۔ اور یقیناً تم اس بات سے واقف ہوگی کہ سونی کو یہاں سے لے کر نہیں جا سکتی۔'' وہ پھر سے اخبار پڑھنے لگ گئی۔

شہرین نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے جیسے بہت ضبط کیا۔

''بالکل۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ہیل کی ٹک ٹک ہر زینے کے ساتھ اوپر چلتی گئی۔ جواہرات مسکراتے ہوئے اخبار پڑھتی رہی۔

اوپر ریلنگ کے ساتھ کھڑی شہرین نے نیچے دیکھا۔ ذرا سا مسکرائی۔ اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ نوشیرواں کے کمرے کے بند دروازے پہ مٹھی سے دستک دی۔ نگاہیں نیچے بیٹھی جواہرات پہ مرکوز تھیں جس نے یقیناً دستک کے محلِ وقوع کا اندازہ کر لیا تھا مگر کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا۔

''شیرو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' تیسری دستک کے بعد اس نے پکارا۔ تبھی دروازہ کھل گیا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں' بال اڑے اڑے سے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ نیند سے جاگا تھا' اور شہری کو دیکھ کر پورا جاگ گیا تھا۔

وہ کچھ کہے بنا اندر چلی آئی' گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا اور پھر آرام سے ایک کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' پیر جھلاتے ہوئے شیرو کو دیکھا۔

''فریش ہو کر آ جاؤ۔ ہمیں بات کرنی ہے۔'' انداز نرم مگر تحکم سے بھرپور تھا۔ وہ جز بز سا اسے دیکھتا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ ''سونیا والے معاملے میں' میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے امید نہیں رکھنی چاہیے۔'' چند منٹ بعد' اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا' دھلے دھلائے چہرے والا شیرو ابرو تنے' قدرے خشکی سے کہہ رہا تھا' البتہ لہجے کی خشکی زبردستی تھی۔ بار بار وہ نرمی میں ڈھلنے لگتی' اور وہ اسے پھر

سے غصے اور ناگواری میں لپیٹتا۔ گاہے بگاہے نگاہیں اٹھا کر شہرین کے خوبصورت سنہرے چہرے کو بھی دیکھ لیتا۔ وہ اسی اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

''ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہیے' مگر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟''

''جو آپ نے سعدی کے ساتھ مل کر کیا' اسے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں۔'' اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہتے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''تم اس قسم کے انسان تو نہیں تھے شیرو کہ شہری کی کوئی بات ہی نہ سنو۔ میں ہاشم کو اصل وجہ نہ بتاؤں' مگر تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پوچھنے پہ میں ضرور بتاتی۔''

''اصل وجہ؟'' شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ شہرین کی آنکھوں میں افسوس اترا۔

''تو کیا تم نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری طرح میں بھی استعمال کی جاسکتی ہوں؟ میں بھی یہ کرنے پہ مجبور ہوسکتی ہوں۔ مجھے تمہاری خودغرضی پہ افسوس ہو رہا ہے۔'' اور پھر ایک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''جب تم نے میری مجبوری سمجھی ہی نہیں' تو میرے بتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تم نے تو مجھے سخت مایوس کیا ہے شیرو۔''

اور وہ تاسف سے کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔

نوشیرواں ہڑبڑا کر اٹھا۔ ''نہیں' پلیز۔ آپ جائیں مت۔ مجھے بتائیں تو سہی کہ اصل بات کیا ہے؟'' ساری اکڑ' ناراضی' غصہ اڑنچھو ہوگیا۔ اور وہ ایک دم پریشان ہوگیا تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔ سخت نظروں سے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''میں کیوں بتاؤں تمہیں؟ تم کون سا میرا یقین کرو گے؟ تم بھی سعدی کی طرح مجھے ذلیل ہی کرو گے۔'' خفگی سے کہتی وہ خود ہی بیٹھ گئی۔ اب کے نوشیرواں اس کے سامنے بیٹھا تو ذرا متفکر ہو کر بیٹھا تھا۔

''سعدی نے آپ کو.....؟'' الجھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''میں نے اس دن سعدی کو اپنا دوست کہا' جب تم اور ہاشم سونی کو ڈراپ کرنے آئے تھے۔ غلط کہا تھا میں نے۔ اس لئے تاکہ اسے اصل بات نہ بتانی پڑے۔'' کہتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی' تھوڑی تک آتے بالوں کی چونچ نما لٹ انگلی سے پیچھے ہٹائی۔ وہ اچنبھے مگر توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سعدی میرا دوست نہیں ہے۔ تم مجھے جانتے ہو' میں اور تم ایسے لڑکے کو کیسے اپنا دوست بنا سکتے ہیں؟'' اس نے کہتے ناگواری سے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''اس کے پاس میری ایک ویڈیو تھی۔ ایک پارٹی کی ویڈیو' اب تفصیل مت پوچھنا' بس وہ ویڈیو مجھے اسکینڈلائز کرسکتی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ ویڈیو اس کلب کے سسٹم سے مٹا دو' مگر وہ اتنی آسانی سے مٹانے والا نہیں تھا۔ مجھ سے پانچ لاکھ لئے اس کام کے' اور کہا کہ بدلے میں ایک فیور مانگوں گا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ بدلے میں مجھے تمہیں استعمال کرنے کو کہے گا۔ اونہوں۔'' نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں بند کر کے ماتھے پہ انگلیاں رکھیں۔

نوشیرواں بالکل سانس روکے سن رہا تھا۔ دم بخود۔

''میں تو اس سے ملتی بھی نہیں تھی۔ مجھے مال میں جالیا اس نے۔ سونی کی پارٹی کی صبح۔ اور بولا کہ یہ کام کردوں۔ میں نے انکار کیا تو اس نے کہا' کیا میں نے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا آپ کا کام کرتے وقت؟ یہ ایک دھمکی تھی اگر میں انکار کروں گی تو میری ویڈیو لیک کر کے میرا اسکینڈل بنوائے گا۔ اس کے بعد سونی کو ہاشم میرے سائے سے بھی دور کردے گا۔ میں تم لوگوں سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔'' (اور شیرو کے چہرے کو دیکھتی وہ دل گرفتی سے کہہ رہی تھی۔ لفظ ''تم لوگوں'' پہ نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت' برہمی میں بدلنے لگی۔ اس برہمی میں سعدی کے

لئے نفرت اور شیری کے لئے ہمدردی تھی۔)

''وہ آپ کو بلیک میل کر رہا تھا؟ تو مجھے یا ہاشم بھائی کو کیوں نہیں بتایا؟'' حسبِ عادت وہ بھڑک کر آگے ہوا' گویا اٹھنے کو تیار ہو۔

شہرین نے گڑبڑا کر دروازے کو دیکھا جس کے پار' نیچے جواہرات اخبار پڑھ رہی تھی۔ اسے لمحے بھر کو ڈر لگا کہ یہ گھامڑ اگر دندناتا ہوا باہر نکل گیا' تو ساری کہانی گئی فلاپ۔

''ہاشم میرا کچھ نہیں لگتا' شیرو۔'' اس نے بظاہر بہت ضبط سے کہا مگر بڑی بڑی سبز لینز لگی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''ہاشم میرا شوہر نہیں ہے۔ ایسے لڑکوں سے صرف آپ کے شوہر پروٹیکٹ کرتے ہیں آپ کو اور میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔ میں.....'' سینے پہ انگلی رکھ کر بھرائی آواز میں بولی۔ ''میں اکیلی ہوں' بالکل اکیلی۔'' سانس ناک کے ذریعے اندر کھینچا' انگلی سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔ ''مجھے ٹشو لا دو۔ میں پتہ نہیں کیوں ایموشنل ہو رہی ہوں۔'' گیلی آواز سے ہنسنے کی ناکام کوشش کرتے اس نے چہرہ پرے پھیر لیا گویا آنسو چھپانا چاہ رہی ہو۔

نوشیرواں فوراً اٹھا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ٹشو کا باکس اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

''آپ.....'' اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''تھینک یو۔'' اس نے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں' اور چہرہ اس کی طرف پھیر کر مسکرائی۔ ''میں تم سے ہمدردی لینے نہیں آئی تھی' نہ اس لئے آئی ہوں کہ تم ہاشم سے سونیا کے لئے بات کرو۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ تم اس سے کوئی بات نہ کرو۔ میں تمہیں مزید تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس تم میری طرف سے دل صاف کر لو۔'' وہ اٹھ گئی' پرس کی لمبی زنجیر کندھے پہ ڈالی' ہلکا سا نوشیرواں کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا رہ گیا۔

سونی کے کمرے کی طرف جاتے وہ ریلنگ پہ رکی' چہرہ جھکا کر نیچے جھانکا۔ جواہرات اب ادھر نہیں تھی۔ وہ مسکرائی اور پورے کروفر اور اٹھی گردن کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

قاتل سے عشق بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
تُو بھلا کس سے محبت کی جزا مانگے گا

ہاشم کاردار کے آفس میں اے سی کی خنکی اور ٹھنڈ پھیلی تھی' اور وہ کوٹ میں ملبوس' پاور سیٹ پہ براجمان' موبائل کان سے لگائے' سامنے رکھی فائل کے صفحے پلٹاتے، کہہ رہا تھا۔

''بڑے ہو جاؤ شیرو۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے' بکواس کر رہی ہے۔'' اکتا کر اس نے شیرو کی کہانی درمیان سے کاٹی۔ ''وہ اس کی ٹانگ جتنا لڑکا اسے بلیک میل کرے گا؟ پانچ سال گزارے ہیں میں نے اس عورت کے ساتھ' یہی کئی ہوگی اپنے مسئلے اس کے پاس لے کر۔''

''مگر بھائی' وہ سعدی ہے ہی.....'' نوشیرواں جس کی شہرین کے لئے نرم آواز سعدی کے نام پہ برہمی سے کانپنے لگتی نے' مزید کچھ کہنا چاہا مگر ہاشم مصروف تھا' اور بے زار بھی۔

''سعدی کو میں سنبھال لوں گا' تم بس شہری سے دور رہو۔''

''مگر آپ سونیا کو.....''

''وہ تمہیں دوسری دفعہ بے وقوف بنا رہی ہے شیرو۔ پہلی دفعہ اس پہ لعنت' دوسری دفعہ تم پہ۔'' لہجے میں بے زاری اور غصہ در آنے لگا۔ ''اور اب تم اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے آفس میں نظر آؤ۔'' موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا' اور خفگی سے منہ میں کچھ بڑبڑاتے قلم دان سے قلم نکال کر کاغذات پہ دستخط کرنے لگا۔ کام ختم کر کے فائل بند کی اور انٹر کام اٹھایا۔

''حلیمہ' خاور آفس میں ہے؟''

''جی' وہ شاید نچلے فلور پہ ہیں۔''

''اسے میرے پاس بھیجو....'' ریسیور رکھتے رکھتے وہ رکا۔ ''وہ اس لڑکے' سعدی یوسف کا کوئی فون آیا؟''

''سر میں نے دو دن پہلے دوبارہ ان کو کال کی تھی' انہوں نے کہا کہ اگلے ہفتے آئیں گے وہ۔ دن نہیں بتایا۔ میں ان کو کال کروں؟''

''اونہوں۔ وہ خود کرے گا۔ بہرحال' جب کہے' وقت اور دن مت دیکھنا' اسے آنے کا کہہ دینا۔'' ریسیور رکھ کر اس نے ٹیک لگائی' اور کچھ سوچتے ہوئے اوپر چھت کو دیکھنے لگا۔

خاور اندر داخل ہوا تو وہ سیدھا ہوا۔ سنجیدہ ٹھنڈے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور پینٹ میں ملبوس اونچا لمبا سا تھا۔ ٹائی نہیں باندھتا تھا۔ بال اور مونچھیں دونوں سیاہ تھیں۔ رنگت سانولی اور نقش متناسب تھے۔ ہاتھ باندھے' سنجیدگی سے چلتا وہ سامنے آیا۔

''وہ ملا جو میں نے تلاش کرنے کے لئے کہا تھا؟''

خاور کی آنکھوں میں مایوسی در آئی' نفی میں گردن ہلائی۔

''نو سر۔ ابھی تک تو اس لڑکے کے بارے میں کوئی dirt نہیں ملا۔''

ہاشم قدرے برہمی سے آگے کو ہوا۔ ''تو تم اتنے دنوں سے کیا کر رہے ہو؟ وہ کچھ دن بعد میرے سامنے ادھر کھڑا ہوگا' اور اگر میرے پاس کوئی لیورج ہی نہیں ہوگا اس کے خلاف تو میں اسے کیسے سنبھال لوں گا؟''

''سر میں نے پوری کوشش کی' مگر وہ ہر طرح سے صاف ہے۔ اپنے خاندان کا وہ فیورٹ ہے' تو دوستوں کا آئیڈیل۔ کسی کو کوئی کام ہو تو سعدی یوسف ہے نا۔'' وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ ''محلے کا چوکیدار رکھنا ہو' یا گلی میں اسپیڈ بریکر بنوانا ہو' ہمسائیوں کے لڑکے فوراً اسی کے پاس جاتے ہیں' بہترین اسٹوڈنٹ' اور جاب پہ ایک ایماندار اور محنتی ایمپلائی۔ اس کا کوئی ڈرٹی سیکرٹ نہیں ملا مجھے۔ وہ لڑکا گویا فرشتہ ہے۔''

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ سرد تلخ سی مسکراہٹ۔ نفی میں سر ہلایا اور میز پہ رکھا پین انگلیوں میں گھماتے بولا۔ ''میں تمہیں بتاؤں خاور' کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا۔ سب کے راز ہوتے ہیں۔ تم نے درست جگہ نہیں دیکھا ہوگا۔''

خاور ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں سکیڑے کچھ سوچا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ایک جگہ میں نے واقعی نہیں دیکھا۔'' پھر سوچتے سوچتے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل' وہ فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایک دن دیں' اس کی انسانیت دکھاتا ہوں آپ کو۔'' ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا' اور خاور عجلت میں باہر نکل گیا۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر خود کو بہتر محسوس کیا' پھر موبائل اٹھایا اور زمر کا نمبر ملا کر کان سے لگایا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' وہ اب لبوں میں کوئی دھن گنگناتے چھت کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے ..... تُو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

مال میں دوپہر کی نسبت سے رش تھا۔ مطمئن' خوش باش' مصروف لوگ اوپر نیچے' آگے پیچھے آ جا رہے تھے۔ ایسے میں دکانوں کی قطار کے سامنے راہداری میں حنین اور سیم بھی چل رہے تھے۔ ایک شاپ کے سامنے وہ رکے' حنہ سیم کی جانب گھومی' شرارتی چمک دار آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''اے موٹے آلو! ونڈو شاپنگ کے دو اصول یاد ہیں؟''

گھنگریالے بالوں والے دبلے پتلے اور لمبے لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل۔ تم ہر چیز مجھے دکھا دکھا کر کہو گی' سیم' یہ لے لو' اور میں بگڑے بچوں کی طرح نہیں کرتا آگے بڑھ جاؤں گا۔''

''گڈ!'' وہ مسکرائی' پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے شاپ میں داخل ہوئی۔ قدم بہ قدم دونوں ریکس کی جانب آئے۔ حنین نے مختلف کپس سیم کو دکھانی شروع کیں۔ ''سیم' بچے' دیکھو یہ آپ پہ کتنی پیاری لگے گی۔''

وہ بگڑے انداز میں نفی میں سر ہلاتے بولا۔ ''نہیں ماما' مجھے یہ نہیں چاہیے۔''

''ماما؟'' اس نے تلملا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سب سیلز مین انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

''سیم جان!'' وہ جبراً مسکرا کر پیار سے بولی۔ ''بی ہیو یور سیلف، ورنہ ابھی آپ کے پاپا کو شکایت لگاتی ہوں۔''

''مگر ماما' پاپا تو کئی سال سے اوپر ہیں' اکاؤنٹنگ میں۔ (حساب کتاب میں)''

معصومیت سے آنکھیں جھپکا جھپکا کر بولا اور اس سے پہلے کہ وہ سارے شغل پہ لعنت بھیج کر اس کا کان مروڑتی' ہینڈ بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔

وہ جلدی سے موبائل نکالتی شاپ سے باہر آئی۔ سیم بھی پیچھے لپکا۔

''کیا امی اور پھپھو نے شاپنگ کر لی؟ کیا وہ بلا رہی ہیں؟'' حنہ موبائل نکال کر دیکھ رہی تھی اور سیم سوال کر رہا تھا۔ یہ زمر کا موبائل تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے حنہ کو اس لئے دیا تھا کیونکہ وہ اور ندرت بالائی فلور پہ نکاح کا جوڑا خرید رہی تھیں' اور سیم اور حنین ٹِک کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایسے میں ان کو ''آزاد'' کرنے سے قبل زمر نے اپنا فون حنہ کو دے دیا' کہ جب فارغ ہو تو ندرت کے فون پہ بتا دے۔ اب بھی سیم یہی پوچھ رہا تھا مگر حنین بالکل چپ سی ہو کر بجتے فون کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

ہاشم کا ردار کالنگ۔ فون پکڑے ہاتھوں پہ پسینہ آنے لگا' دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''اٹھانا مت' حنہ' پھپھو کا فون ہے۔'' سیم نے تنبیہہ کی مگر جسے دنیا کا بدترین مرض لاحق ہو جائے' وہ اور کیا کرے؟ اس نے انگوٹھے سے سبز دائرے کو سلائیڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو؟''

''ہیلو۔ زمر؟'' وہ ذرا ٹھٹکا تھا۔

''نہیں' میں حنین۔'' دھڑکتے دل اور بے قابو ہوتی خوشی سے وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ ''اصل میں ہم مال میں ہیں' پھپھو اور امی دور ہیں' سو ان کا فون میرے پاس ہے۔''

''او کے۔ کیسی ہو تم حنین؟'' وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

''میں بالکل ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟'' وہ بھی اعتماد سے مسکرا کر بولی۔ ایسے میں وہ سیم کی طرف متوجہ نہیں تھی جو خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہوں۔'' اس کے انداز پہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''تمہارا رزلٹ کب ہے؟'' اگلے سوال پہ حنہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' فوراً سیم کو دیکھا جو بے زار سا کھڑا تھا۔

''اگست میں۔ اور....'' وہ رک گئی' تھوک نگلا۔ سارے لمحات پھر سے آنکھوں میں تازہ ہوئے۔ امتحانی مرکز میں ہاشم کو بلانا' پھر وہ سیاہ اور سنہری پارٹی۔

''ڈونٹ وری' تمہارا رزلٹ بہت اچھا آئے گا' اتنا کچا کام تو نہیں کیا ہو گا نا ہاشم نے۔'' اس کے نرم تسلی دینے والے انداز پہ وہ پھیکا سا مسکرائی مگر پرجوش اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اور ایفل ٹاور کی روشنیاں بھی ماند پڑنے لگیں۔

''میں پھپھو کو جا کر بتاتی ہوں' وہ آپ کو کال بیک کریں گی۔''

''وہ کال بیک نہیں کریں گی۔ میں دس منٹ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔'' اور فون بند ہو گیا۔

''کیا کہہ رہے تھے؟''

''مجھے خود نہیں پتہ کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہے تھے۔'' خود سے الجھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

جب وہ اس آؤٹ لٹ پہ آئے جہاں زمر اور امی تھیں تو دس منٹ بیت چکے تھے۔ وہ دونوں کاؤنٹر پہ کھڑی تھیں۔ ندرت سادہ سی سر پہ پٹہ لئے کھڑیں' شاپنگ بیگ میں موجود جوڑے کو چیک کر رہی تھیں۔ کامدار جوڑے کا رنگ آف وائٹ تھا' ذرا سی جھلک سے حنین کو اندازہ ہوا۔ پھر وہ زمر کی طرف آئی' جو بال آدھے کیچر میں باندھے' سر جھکائے' بل کی رسید پرس میں رکھ رہی تھی۔ اس کے ''پھپھو'' کہنے پہ چہرہ اٹھایا۔ وہ حنین سے دراز قد تھی' دوانچ دراز۔ اور زیادہ جاذب نظر بھی۔ بھوری آنکھوں سے حنہ کو دیکھا اور نرمی سے مسکرائی۔

وہ جب ایسے مسکراتی تھی تو حنین گزرے برسوں کی ساری تلخی اور ناراضی بھولنے لگتی۔

''ہاشم بھائی کا فون آ رہا ہے۔'' دوبارہ بجتے سیل کو اس کی طرف بڑھایا۔ زمر نے موبائل سامنے کر کے دیکھا' پھر گہری سانس لے کر کان سے لگایا۔

''جی ہاشم' کہیے۔'' مصروف سے انداز میں وہ پرس بند کرتی گویا ہوئی۔

''حنین بتا رہی تھی' آپ شاپنگ کر رہی ہیں۔ مجھے گیس (Guess) کرنے دیں' کیا یہ آپ کی شادی کی شاپنگ ہے؟'' وہ گویا مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ زمر نے فوراً حنین کو دیکھا' وہ ہاشم کی بات نہیں سن سکتی تھی' مگر جلدی سے بولی۔ ''میں نے کال اٹینڈ کر کے بتایا تھا کہ ہم مال میں ہیں۔'' ایک دم اپنا آپ مجرم لگنے لگا۔ نظریں فوراً جھکا دیں۔

''ہاشم' آپ نے کیسے فون کیا؟'' بے تاثر' ٹھنڈے انداز میں پوچھتی وہ حنین کے ہمراہ چلتی باہر نکلی۔ ندرت اور سیم اگلی شاپ میں سیم کے کپڑوں کے لئے چلے گئے تھے۔ ندرت نے حنہ کو بھی آواز دی مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

''آپ کو شادی کی مبارک باد دینے۔''

''ایک منٹ!'' اس نے فون کان سے ہٹائے بغیر بلند آواز میں حنین کو پکارا۔ ''حنہ' اگر یہ صاحب اگلے پانچ منٹ تک فون بند نہ کریں تو تم اونچی آواز میں مجھے پکار کر کہنا کہ بھابھی مجھے بلا رہی ہیں' اوکے؟ جی ہاشم' آپ کیا کہہ رہے تھے؟''

رسان سے کہتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حنہ کا تو منہ ہی کھل گیا۔)

وہ جواب میں زور سے ہنسا تھا۔

''میں یہ کہہ رہا تھا' کہ اگر آپ کو اس روز وہ گولیاں میں نے ماری ہوتیں تو کیا آپ مجھ سے بھی شادی کر لیتیں؟'' وہ محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔ میں آپ کو قتل کرنا پسند کرتی' مگر ہزار حصوں میں۔''

''پھر' فارس کو ہزار حصوں میں کیوں نہیں مارا؟'' وہ مزہ لیتے ہوئے مخاطب تھا۔ ''چار سال چپ کیوں رہیں؟''

''اچھا انسان برا کرے تو خاموشی بہتر ہے' لیکن آپ جیسا برا انسان اگر برا کرے تو خاموش نہیں رہنا چاہیے مجھے۔''

وہ جواب میں پھر سے ہنس دیا۔ زمر اور حنہ ہنوز ساتھ ساتھ گیلری میں چل رہی تھیں۔ حنہ کے کان ادھر ہی لگے تھے۔

''اور اس برے انسان کو شادی پہ نہیں بلایا آپ نے؟''

''یہ سوال آپ اپنے کزن سے کریں۔ یہ فیصلے ان کے ہیں۔''

''زمر....'' اب کے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''آپ غلطی کر رہی ہیں۔ اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے آپ کو۔''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ہاشم!''

''آپ نے اس کو ذاتی نہیں رہنے دیا جب اسے میری ممی سے ڈسکس کیا۔''

زمر نے تکان سے گہری سانس بھری۔''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ فارس آپ کے قابل نہیں ہے۔اس کا جرم بھول بھی جائیں' تو اس کی اکھڑ طبیعت' غصہ' لاپرواہی' وہ آپ کی ٹائپ کا آدمی نہیں ہے۔''قدرے توقف کے بعد اس نے گویا زمر کو پکارا۔''کیا سوچ رہی ہیں؟''

''اوہ آپ بالکل بھی نہیں جاننا چاہیں گے جو میں سوچ رہی ہوں۔''اس کے انداز پہ حنہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ دونوں ایک شاپ کے باہر کھڑی ہوگئی تھیں' اور زمر ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے' دوسرے سے موبائل کو کان سے لگائے بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

''مثلاً کیا؟''

''میں یہ سوچ رہی ہوں ہاشم کہ مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کو فارس کی ہر بیوی چبھتی ہے۔وہ جب بھی شادی کرے گا' آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔میں یہ سوچ رہی ہوں کہ بطور ایک فرسٹ کزن' آپ کا اس سے اَن کہا' لاشعوری سا مقابلہ ہے۔موازنہ ہے۔میں یہ سوچ رہی ہوں کہ زرتاشہ کی شادی کے روز بھی جب آپ اسٹیج پہ آئے تھے' اور میں وہاں تھی' اور فارس وہاں نہیں تھا' تب آپ نے زرتاشہ سے بھی اس کے غصے اور اکھڑ پن کا تذکرہ کیا تھا جس کی وجہ سے دلہن کا چہرہ بجھ گیا تھا۔میں یہ بھی سوچ رہی ہوں ہاشم کہ آپ یہ جان بوجھ کر نہیں کرتے۔لاشعوری طور پہ تب کرتے ہیں جب آپ کو اپنی شادی کی ناکامی یاد آتی ہے۔سو مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔''

حنین بس اس کو دیکھے جا رہی تھی' سانس روکے' شاکڈ۔اور دوسری جانب ہاشم خاموش ہوگیا تھا۔

''ویل....آپ نے کافی سخت باتیں کہہ دیں۔''جب وہ بولا تو آواز مدھم مگر بجھی ہوئی تھی۔

''میں معذرت نہیں کروں گی' اگر آپ میری ذاتیات میں دخل دیں گے تو پھر اپنی ذاتیات کے بارے میں بھی آپ کو سننا پڑے گا۔''نرمی سے کہہ کر اس نے ابرو اٹھا کر حنین کو دیکھا۔وہ گڑبڑا کر اونچا سا بولی۔

''پھپھو امی بلا رہی ہیں۔''کہہ کر خوب شرمندہ ہوئی۔

''آپ نے سن لیا؟ مجھے جانا ہے۔''اور موبائل بند کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''بھابھی کدھر رہ گئیں؟''عام سا انداز جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔حنین بالکل چپ رہ گئی۔اور وہ تب تک نہیں بولی جب تک وہ چاروں شاپنگ سمیت اوپر فوڈ کورٹ میں ایک ٹیبل پہ بیٹھ نہیں گئے۔زمر ندرت سے ان کے ریسٹورانٹ کے حوالے سے باتیں کرنے لگی۔وہ ریسٹورانٹ ان دنوں بنا تھا جب زمران سے قطع تعلق تھی' مگر خون کے رشتے ''صلح'' کے بعد پرانی باتوں کا ذکر نہیں چھیڑا کرتے۔یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔یہی چیز خون کو پانی سے گاڑھا بناتی ہے۔

ندرت اور سیم اٹھ گئے تاکہ سیم کے جوتے لے لیں تو حنین جوس میں اسٹرا گھماتی' نگاہیں جھکائے' سرسری سا بولی۔''ہاشم بھائی نے برا تو مانا ہوگا اتنی سخت باتوں کا۔''

''ہاشم کے برا ماننے سے کسے فرق پڑتا ہے؟''زمر نے مسکرا کر شانے اچکائے۔پھر گردن ترچھی کر کے اسے غور سے دیکھا۔''کسی بات پہ پریشان ہو حنہ؟''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔''نہیں....مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں۔''چہرہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ڈیڑھ سال قبل کی چیٹنگ سے اب کی

ماں تک زمر کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

''آر یو شیور؟ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ضرور شیئر کرنا۔'' اس نے نرمی سے حنہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ کو ایسا کیوں لگا؟''

''کیونکہ اب تم بہت خاموش رہتی ہو۔ پہلے تم بہت بولا کرتی تھی۔''

حنین کے ابرو بھنچ گئے۔ ایک سخت نظر اپنے ہاتھ پہ دھرے زمر کے ہاتھ پہ ڈالی اور دوسری زمر کی آنکھوں پہ۔

''میں اور آپ پھپھو کبھی بھی ایک دوسرے سے بہت نہیں بولا کرتے تھے۔'' اپنا ہاتھ نکالا اور کرسی دھکیلتی اٹھ کر دوسری طرف چلی گئی۔ زمر گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اور خون کی سب سے بڑی خوبی اور خامی یہی ہے کہ اگر اسے باہر کی ہوا لگ جائے تو وہ جم جاتا ہے۔ عرب کے اہلِ زبان اس جمنے کو عقد کہتے ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ جمے خون کو کوئی پگھلائے کیسے؟

.....❖❖❖.....

دنیا کی وسعتوں میں اسے ڈھونڈتا رہا ..... لیکن خدا میری ذات کے اندر ملا مجھے!

چھوٹے باغیچے والے گھر کے باہر ابھی رات کا تیسرا پہر تھا۔ گہرے جامنی آسمان پہ ستارے چمک رہے تھے۔ راہداری کے پہلے دروازے سے اندر جھانکو تو بستر پہ چادر تانے سعدی سو رہا تھا۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہوئی، نہ آواز آئی اور وہ آہستہ سے بازو ہٹا کر اٹھا۔ نیند سے بھری آنکھوں کو مٹھی سے مسلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ فجر میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔

وہ لبوں میں کوئی دعا پڑھتا بستر سے اترا اور باتھ روم کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ جب باہر نکلا تو کرتے شلوار میں ملبوس تھا، ہاتھ منہ اور پیر گیلے تھے جب وہ راہداری میں دبے قدموں چلتا بیرونی دروازے تک آیا تو ندرت نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ خوابیدہ آنکھیں حیرت سے سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''سعدی؟ ابھی تو آذان بھی نہیں ہوئی۔ تم جلدی کیوں اٹھ گئے؟ کیا الارم جلدی بج گیا؟''

''میں تو الارم نہیں لگاتا امی، آپ کو نہیں پتہ؟'' اسے جیسے معصوم سا تعجب ہوا۔

''تو پھر کیسے اٹھے ہو؟''

''میں بس اللہ تعالیٰ سے رات میں کہہ دیتا ہوں کہ مجھے صبح اس وقت جگا دیجیے گا، تو اللہ مجھے جگا دیتے ہیں۔'' اور سادگی سے مسکرایا۔ ''امام صاحب کی طبیعت رات پھر خراب تھی، میں نے کہا کہ صبح میں امامت کراؤں۔ اس لئے جلدی جا رہا ہوں۔''

''اچھا خیر سے جاؤ۔'' انہوں نے شاید کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر حنین اور سیم کے کمرے تک گئیں۔ بلند آواز میں ڈانٹنا شروع کیا۔

''کوئی شرم حیا ہے تم دونوں میں؟ اٹھو قرآن پڑھو، نماز پڑھو....'' سعدی باہر نکل آیا تو آوازیں دم توڑ گئیں۔

کالونی کی سڑک ویران، اندھیر پڑی تھی۔ سعدی نے تازہ ہوا کو محسوس کرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ زمین والوں کو آسمان پہ تارے جگمگاتے دکھائی دے رہے تھے، اور آسمان والوں کو زمین پہ قرآن پڑھنے والوں کے گھر چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ اندھیرے کی وہ گھڑی تھی جس میں سب سے زیادہ نور پھیلا تھا۔

اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگایا، قرآن پین نکالا (ایک سفید پین کی صورت کا آلہ جس کی نوک قرآن کے جس حرف پہ رکھو وہیں سے تلاوت کی ریکارڈنگ چلنے لگتی ہے) اور سورتوں کا کارڈ نکال کر تمام سورتوں کے ناموں پہ سوچتی نظر ڈالی۔ اپنے روز کے فجر کے قرآن میں وہ سورۃ غافر پہ تھا۔ اب اصولاً اس سے اگلی سورۃ پڑھنی تھی، مگر وہ سوچتا رہا۔ پھر عادتاً اپنی پسندیدہ سورۃ نمل پہ قلم کی نوک رکھ دی۔ سر اٹھا کر، ابرو اکٹھے کیے، بے بسی سے آسمان کو دیکھا۔

''او کے اللہ تعالیٰ' آئی ایم سوری' مجھے قرآن ترتیب سے پڑھنا چاہیے مگر میں کیا کروں' مجھے یہ سورۃ بہت پسند ہے۔'' پھر مسکرا کر کانوں میں ہینڈز فری لگا کر تے قدم قدم سڑک کنارے چلنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ مجھے آج بھی یاد ہے' جب میں ابو کے ساتھ مسجد آتا تھا تو وہ مجھے چیونٹیوں کی قطار دکھایا کرتے تھے۔ تب میں سوچتا تھا' انسانوں کو کیڑے مکوڑوں سے کیوں ملایا جائے؟ مگر بہت سالوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ نمل کیڑوں مکوڑوں کی سورۃ نہیں ہے' یہ ''فیملی'' کی سورۃ ہے۔ خاندان کو کیسے جوڑ کر رکھنا ہے' مجھے آپ نے یہ اس سورۃ سے سکھایا ہے۔''

جامنی اندھیرے میں وہ سر جھکائے' مسکرا کر سرگوشی میں بولتا جا رہا تھا۔

اوپر کالونی میں کسی گھر کی چھت پہ کوئی نوعمر لڑکی فون کان سے لگائے' آنسو بار بار پونچھتی' کسی نائٹ کلب کے طفیل اپنے بوائے فرینڈ سے سرگوشی میں بات کر رہی تھی۔ سامنے والے ایک اور گھر میں ایک لڑکا بستر میں لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹک ٹک میسج کر رہا تھا اور چہرے پہ وہی مسکراہٹ تھی جو مرض عشق میں مبتلا لوگوں کے چہروں پہ اس وقت ہوا کرتی ہے۔ یہ رات کا وہ پہر تھا جب صرف محبوب کے لئے جاگا جاتا ہے۔

''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔'' سڑک کنارے چلتے گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں آواز گونجنے لگی۔ ''طسن۔ یہ آیات ہیں قرآن کی اور اس کتاب کی جو روشن ہے۔''

ہاتھ میں پکڑے پین پہ اس نے پاز کا بٹن دبایا۔

''اوہ اللہ۔'' بے بسی بھری مسکراہٹ سے آسمانوں کو دیکھا' اور پھر نفی میں سر ہلاتے گردن جھکائے چلتا گیا۔ ''مطلب کہ میں کبھی کبھی حیران ہو جاتا ہوں' یہ ''کتاب مبین'' والی بات آپ نے کتنی دفعہ بتا دی قرآن میں' پھر ہر چند سورتوں کے بعد یہی آیت کیوں لے آتے ہیں آپ اللہ؟ مجھے سوچنے دیں۔'' لب کاٹتے' آنکھیں ذرا میچ کر وہ واقعی سوچنے لگا۔ ''ہوں۔'' چند لمحے اور سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''ہر دفعہ اس آیت کا مجھے نیا مطلب سمجھ آتا ہے۔ دیکھیں اللہ' اتنا مجھے پتہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا صرف ایک ہی مطلب ہوتا تو یہ قرآن میں بار بار نہ دہرائے جاتے۔ کتاب مبین۔ کتاب روشن۔ یعنی.....'' وہ سڑک کنارے قدم اٹھاتا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ ''یعنی آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں کہ آگے جو آیات آپ مجھے دیں گے' وہ اس کتاب کی ہیں' جس کے علاوہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے کوئی روشنی نہیں ملے گی۔ کہیں سکون نہیں ملے گا۔ کہیں خوشی نہیں ملے گی۔ مجھے اس کتاب کے علاوہ کوئی نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہیں انگلی پکڑ کر صحیح فیصلے کرنا سکھائے۔ میرے دل کی بات سمجھ کر اللہ کی بات اور کوئی نہیں سمجھائے گا۔'' مسکرا کر' خوشدلی سے بولتے اس کے تاثرات بدلتے گئے۔ آنکھوں میں اداسی در آئی۔ دل بھر سا آیا۔

اپنی زندگی کی پیچیدگیاں' دکھ' خطرات' سب یاد آنے لگے۔ کیا کھویا اور کیا پایا۔ جامنی صبح میں اداسیاں گھلتی گئیں۔

''یہ ہدایت ہے اور خوشخبری ہے' ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں۔'' کانوں میں گھلتی وہ مدھر آواز کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے ویران' اندھیر سڑک کو اداسی سے دیکھے گیا۔

''اللہ آپ کو کیسے علم ہوتا ہے کہ اس آیت کے بعد میں افسردہ ہو جاؤں گا؟ کیسے آپ فوراً اگلی آیت میں مرہم لے آتے ہیں؟ کیا آپ کو ہر انسان کا اتنا خیال ہوتا ہے یا میں اسپیشل ہوں؟'' افسردگی کو زبردستی دباتے وہ شرارت سے خود ہی ہنس دیا۔ ''خوشخبری.....'' اور گہری سانس لی۔ ''تو یہ کتاب پڑھنا اس لئے ضروری ہے کیونکہ یہ ہمیں فیصلہ کرنا سکھاتی ہے' ایسا ہی ہے نا اللہ؟ آپ نے ان آیات کے ذریعے مجھے سکھایا کہ برے دنوں میں انسان کیسے وہ ''آنکھ'' رکھے جو اسے وہ دکھائے جو ابھی پاس نہیں ہے' مگر کبھی تو ملے گا۔ کبھی تو ہم بھی وہ دن دیکھیں گے نا اللہ جس کا وعدہ ہے۔ مگر اللہ..... کیا یہ خوشخبری میرے لئے بھی ہے؟ آپ نے کہا' یہ ایمان والوں کے لئے ہے۔ مگر..... مجھے خود بھی نہیں پتہ کہ میں مومن ہوں یا نہیں؟ اگر خود کو مومن سمجھوں تو خود پسندی ہے'' ''عجب'' ہے' خود کو منافق سمجھوں تو یہ مایوسی ہے۔ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں مومن ہوں؟''

اداسی بڑھنے لگی۔ اردگرد بھیگتی جاگتی رات میں تنہائی بھرا ملال سا چھا رہا تھا۔ دل کی ساری ویرانیاں اس اندھیرے میں رچ بسنے لگیں۔

''ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لئے۔ یہ وہ لوگ ہیں....'' وہ ایک دم بالکل ٹھہر کر سننے لگا۔ ''جو اپنی نمازوں کو قائم کرتے ہیں...''

اور دل پہ کوئی سل سی بننے لگی۔ ''اوہ اللہ.... یعنی کہ اگر مجھے قرآن کی خوشخبریوں کی امید رکھنی ہے تو میں کبھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ جس دن نماز چھوڑوں گا' اس وقت آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ چاہتے ہیں ہم سب نماز پڑھیں' مگر نہیں' نماز صرف ''پڑھنے'' سے اقامۃ نہیں ہوتا۔ نماز قائم رکھنا اصل چیز ہے۔ ہر نماز اپنے وقت پر اور تمام ارکان کے ساتھ پڑھنا۔ میں نماز نہیں چھوڑتا' مگر جس دن یہ سوچوں کہ نہیں چھوڑتا' اس دن ہی کوئی نہ کوئی قضا ہو جاتی ہے۔ میرے بہن بھائی نماز نہیں پڑھتے۔ مجھے صرف یہی بات تکلیف دیتی ہے کہ اگر قیامت کے دن آپ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم اکیلے مسجد کیوں آتے ہو؟ تمہارے بہن بھائی کیوں اس وقت سو رہے ہوتے ہیں' تو میں کیا جواب دوں گا؟''

وزن بڑھتا جا رہا تھا۔ دکھ' بے بسی' فکرمندی نے اس دم تو ڑتی رات کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

کانوں میں تلاوت وہیں سے جاری تھی۔

''اور وہ جو اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔''

''ٹھیک یو اللہ!'' اس نے بھیگتے ہوئے سر ہلایا اور خود سے بولا۔ ''میں یہ تینوں کام کرتا ہوں' مگر مجھے پھر بھی اپنے اچھے ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ شاید یہی بہتر ہوتا ہے۔ جب تک ہمارے گناہوں کا گلٹ ہمارے ساتھ رہے' ہم کم از کم توبہ تو کرتے رہتے ہیں' اپنی عبادتوں پہ غرور تو نہیں آتا۔ پھر بھی' مجھ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ آس پاس کے لوگ میری نمازیں دیکھ کر' میرے منہ سے قرآن کی باتیں سن کر مجھے اتنا نیک کیوں سمجھتے ہیں؟'' وہ اداسی سے بتا رہا تھا۔ ''اللہ جب لوگ مجھے نیک کہتے ہیں تو مجھے بہت گلٹ ہوتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ یہ لیبل سے نیک آدمی بھی دن میں دس ہزار دفعہ خود کو گناہ کرنے سے روکتا ہے' اور کئی دفعہ نہیں بھی روک پاتا۔ کتنا مزا آتا' ایمان ایک ہی دفعہ لے لیا' اور پھر ساری عمر کی گارنٹی۔ یہ روز روز اپنے آپ سے جنگ' گلٹ' توبہ کا سائیکل تو نہ ہوتا۔ آپ نے زندگی اتنی پیچیدہ کیوں بنائی؟'' نگاہیں اٹھا کر شکوہ کیا۔ دور صبح کی چڑیاں بولنے لگیں۔ ان کی اپنی تسبیح تھی۔ ہر ایک کی تسبیح مختلف ہوتی ہے۔

''ہاں مگر اللہ مجھے اتنا یقین ہے' کہ ایک دن زندگی اپنی ساری ناتمام خواہشات اور تکالیف کے ساتھ ختم ہو جائے گی' سب دکھ سمر ہو جائیں گے' اور وہ بڑا دن آئے گا' جب ہم اور آپ مقابل کھڑے ہوں گے۔ اور مجھے یہ بھی پتہ ہے' کہ نماز کے بغیر' اور اپنا مال اور ٹیلنٹ لوگوں پہ خرچ کیے بغیر' میں یہ کہوں کہ مجھے آخرت پہ یقین ہے تو جھوٹ ہوگا۔ علم الیقین تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ کام کرتے رہنا ہوں گے۔ آپ کو یقین دلانے کے لئے۔ خود کو یقین دلانے کے لئے۔'' وہ سر جھکائے' گہری سوچ میں ڈوبا بولتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی ساتھ سے گزرتے اسے دیکھتا تو سمجھتا وہ ہینڈز فری لگائے فون پہ بات کر رہا ہے۔ مگر ہر بات لوگوں کے سمجھنے کی ہوتی بھی نہیں ہے۔

تلاوت کی بارعب' مگر خوبصورت آواز سماعتوں میں ہنوز بکھر رہی تھی۔ ''البتہ وہ لوگ جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے اعمال ان کے لئے خوبصورت بنا کر پیش کر دیے ہیں اور وہ انہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے لئے برا عذاب ہے' اور وہ آخرت میں شدید نقصان میں رہیں گے۔''

دم توڑتی رات کا وقت تھا' ماحول کی ہیبت تھی' یا تلاوت کی آواز کا سحر' اسے لگا اس کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ کوئی عجیب سا رعب تھا جو ہر جگہ چھانے لگا۔ یہ وہ لمحے تھے جب وہ سب کچھ بھول گیا۔ زمر' فارس' ہاشم۔ اپنی زندگی کی پیچیدگیاں۔ کچھ بھی میٹر نہیں کرتا۔ صرف اپنا اعمال نامہ نظر آتا تھا۔

''تو اللہ [illegible] اور اس کے رسول کے دوست جانتے ہو؟'' بیٹی سے پوچھ کر تم بھی وہی اچھی چھوٹی

لے کر کہہ رہا تھا۔ ''جب میں نماز نہ پڑھوں' یا قرآن نہ پڑھوں' یا لوگوں پہ اپنے حصے سے خرچ نہ کروں' تو میرا آخرت پہ ایمان کمزور ہو جائے گا؟ اور.... اور میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو بہت عمل کرنے والے ہوں گے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟'' تعجب سے اس نے پوچھا جواب اسے خود بھی معلوم تھا۔ ''جو چیز مجھے نماز اور قرآن سے دور کرے گی' اللہ کے راستے کے علاوہ جس بے مقصد چیز میں اپنا مال یا اپنا ٹیلنٹ لگاؤں گا' آپ مجھے وہ بے مقصد چیزیں دلچسپ اور خوبصورت بنا کر دکھاتے جائیں گے اور پھر میں انہی میں بھٹکتا رہوں گا؟ کیا صرف ایک نماز کا چھوڑ دینا اتنا مہنگا پڑے گا؟ نماز جاتی جائے گی' بے مقصد چیزیں آتی جائیں گی؟ ایسے چلا جاتا ہے ایمان؟ صرف ایک نماز کے جانے سے؟ ایک جھوٹ بولنے سے؟ ایک دل دکھانے سے؟'' ایک کنارے پہ وہ ٹھہر گیا۔ تعجب سا تعجب تھا۔ حیرت سی حیرت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے گہرے' پراسرار آسمان کو دیکھا۔ دل بھر سا آیا۔ ہینڈز فری اتار دیے۔

''اللہ تعالیٰ آئی ایم سوری' ہر اس چیز کے لئے جسے میں نے نماز سے اوپر رکھا۔ میں بار بار معافی مانگوں گا۔ آپ بس معاف کرنا مت چھوڑیے گا۔'' اسی طرح خود سے بڑبڑاتا وہ قدم بڑھاتا رہا' یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک آن پہنچا۔ گل خان خلافِ معمول دروازے پہ ہی مل گیا۔ سعدی اپنے فجر کے قرآن میں الجھا تھا' اسے نہیں دیکھا۔ لبوں میں مدھم سا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ جوتے اتارے تو ساتھ کھڑے گل خان نے حیرت سے اس کا بازو ہلایا۔

''کس سے بول رہے ہو سعدی بھائی؟''

وہ جو اپنی ''دُعا'' ختم کر کے درود پڑھ رہا تھا' جھک کر جوتے اتارے' پھر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں اللہ تعالیٰ سے بات کر رہا تھا۔'' اور ننگے پاؤں اندر صحن میں قدم رکھا۔ دم توڑتی رات کی اس گھڑی صحن کی اینٹیں ٹھنڈی تھیں۔

''توبہ.... توبہ.....'' گل خان دو انگلیوں سے باری باری دونوں کان چھوتا پیچھے آیا۔

''اللہ سے ایسے بات نہیں کیا جاتا۔ اُدر (ادھر) مصلے پہ بیٹھ کر ادب سے بات کرتا ہے۔''

''میں ادب سے ہی بات کرتا ہوں' جیسے اپنے بڑوں سے کرتا ہوں۔'' وہ نرمی سے کہتا اندر چلا آیا۔ گل خان کو خوب غصہ آیا۔

''سادی بھائی.... ابھی مولوی صاحب دیکھ لیتا تم کو ایسے بات کرتے' تو تمہارے پہ فتویٰ لگ جاتا۔''

''اچھا تم بتاؤ مجھے کہ دعا کیسے مانگتے ہیں؟'' وہ پرسکون سا مسکراتا ہوا جماعت والے مرکزی کمرے میں آگے بڑھ رہا تھا۔

''ادب سے' تمیز سے' اور ادھر مصلے پہ بیٹھ کر دعا مانگا جاتا ہے۔ سر جھکا کر' رو رو کر۔ ہاں!'' ہاتھ ہلا ہلا کر خفگی سے اشارہ کر رہا تھا۔

سعدی نے مسکرا کر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کو دیکھا جو سفید پشاوری ٹوپی پہنے' پائینچے اوپر چڑھائے کھڑا تھا۔

''اللہ ہماری وہی دعا قبول کرتے ہیں گل خان جو ہم نے دل سے مانگی ہوتی ہو' اور دل سے نکلی باتیں نیچرل ہونی چاہیں۔ مصنوعی لفاظی' اور ٹی وی پہ بیٹھے علماء والی مشکل گاڑھی اردو نہیں یار...'' اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں عام زندگی میں جو سادہ زبان بولتا ہوں' مجھے اسی نیچرل انداز میں اللہ سے بات کرنی چاہیے۔''

''توبہ۔ تم چلتے پھرتے کون سا بات کر رہا تھا' ہاں؟'' اس کے اندر کے مفتی کو ہضم نہیں ہوا' گھور کر مشکوک انداز میں پوچھا۔

''میں فجر کا قرآن سن رہا تھا' ہر آیت کے بارے میں اپنے خیالات اللہ کو بتا رہا تھا' اور اس کے بعد میں ان کو وہ بتا رہا تھا جو میں نے کل کیا' اور جو آج کروں گا۔'' جالی دار ٹوپی سر پہ لئے اس نے رَسان سے جواب دیا۔ برآمدے میں لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ کوئی اسے سلام کرنے رکا تو وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔ فارغ ہو کر واپس گھوما تو گل خان سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے بھائی' تم ایسے خود سے بول رہا ہوتا ہے۔ تم کو ایسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا کس نے سکھایا؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا' مگر وہ اداس مسکراہٹ تھی۔ ''میری پھپھو نے۔ وہ بھی ایک زمانے میں ایسے ہی دعا مانگا کرتی تھیں۔'' مسکراہٹ

آہستہ آہستہ لبوں سے غائب ہوئی۔''اب نہیں مانگتیں۔لوگ بدل جاتے ہیں۔دل سخت ہوجاتے ہیں۔''پھر سر جھٹکا۔بہت سے خیال بھی جھٹکے۔

''تم بتاؤ' آج تمہارے تایا نے کس جگہ تھپڑ مار کر تمہیں نماز کے لئے اٹھایا ہے؟''اب کے اس نے آنکھیں سکیڑ کر گل خان کے چہرے کو ادھر ادھر سے جانچا۔

''ہا!''گل خان نے غصے سے آنکھیں پھیلائیں۔''ہم ایسا کوئی نشئی ہے جو خود نہیں اٹھ سکتا' ہاں؟''کمر پہ ہاتھ رکھے' ناراضی سے اسے گھورا۔سعدی نے''اچھا؟''والے انداز میں ابرو اٹھایا۔گل خان اسی طرح گھورتا رہا' پھر قدرے جز بز سا' گدی پہ ہاتھ رکھ کر قریب کھسکا۔

''کیا گردن ابھی تک سرخ ہے؟''رازداری سے پوچھا۔سعدی بے اختیار ہنس دیا' اس کے سر پہ چپت رسید کی اور امامت کی جگہ کی طرف بڑھ گیا۔گنتی بھر لوگوں کی صفیں ترتیب دی جارہی تھیں۔نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

بس گنتی بھر لوگ! السابقون السابقون!

❖❖❖

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو ..... پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

اور پھر فجر کی وہ گھڑیاں انسان کو کبھی دوبارہ نہ ملنے کے لئے کھو چکی تھیں۔روز فجر طلوع ہوگی' مگر اس دن کی پھر نہیں آئے گی۔سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا' جب وہ سارہ کے گھر کا گیٹ عبور کرتے اندر آیا۔آفس کے لباس میں تیار' سیاہ سنہری کی چین انگلیوں میں گھماتے اس نے داخلی دروازہ بجایا تو فوراً کھل گیا۔سامنے نورا سکول یونیفارم میں تیار کھڑی تھی۔وہ اس کو پیار کرتا' اندر آیا تو لاؤنج میں ذکیہ بیگم امل کے بال بنا رہی تھیں۔ایک آنکھ اس کے بالوں پہ اور دوسری ٹی وی پہ شور کرتی کسی عورت پہ تھی۔اس کے سلام کرنے پہ چونکیں' پھر مسکرا کر خوشدلی سے اسے خوش آمدید کہا۔ساتھ ہی ملازمہ کو آواز دی کہ ناشتہ لائے۔

''تھینک یو نانی' میں ناشتہ کر کے آرہا ہوں۔''اپنی امی کی خالہ سے شائستگی سے معذرت کرتے وہ صوفے پہ بیٹھا۔ٹانگ پہ ٹانگ رکھی' اور ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

''ارے سعدی۔تم؟''سارہ اندر سے پرس اور بیگ اٹھائے عجلت میں چلی آرہی تھی' اسے دیکھ کر رکی' حیرت سے سوال کیا' ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں پکڑے کاغذ بیگ میں رکھے۔وہ بے اختیار کھڑا ہوگیا۔

''آفس کے راستے میں سوچا' آپ سے ادھر مل لوں۔پھر وہاں تو وقت ہی نہیں ملتا' باس!''

''کیا ہوا؟ خیریت؟''وہ سامنے آئی۔بالوں کا فرنچ جوڑا بنائے' لمبی قمیص' دوپٹے' اور کانوں میں ٹاپس پہنے' سعدی کی پراجیکٹ ڈائریکٹر آفس کے لئے تیار لگ رہی تھی۔

''کل کے پروگرام کا پوچھنا تھا۔آپ آئیں گی نا؟ زمر اور فارس کا نکاح ہے کل۔''بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے اس نے احتیاط سے لفظ چنے۔سارہ کے بیگ میں کاغذ گھسیڑتے ہاتھ ذرا کی ذرا ڈھیلے پڑے' گردن موڑی۔ادھر ادھر بھاگتی بچیوں کو دیکھا۔

''اپنے بیگز لو' اور گاڑی میں بیٹھو۔فٹافٹ میں آرہی ہوں۔''پھر چہرہ اس کی طرف پھیرا۔ذرا پھیکا سا مسکرائی۔

''ہاں' ندرت آپا نے فون کیا تھا۔مجھے خوشی ہوئی سن کر۔ہاں تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی۔فارس کو رہا ہوئے ابھی تین ہفتے تو ہوئے ہیں۔مگر...ضرور یہی اچھا ہوگا۔''سر ہلا کر کہتے اس نے موبائل بیگ کے زپ والے خانے میں رکھا۔

''آپ.....آئیں گی نا؟''

''اصل میں میری پلاننگ کمیشن کے کچھ عہدیداروں کے ساتھ کل میٹنگ ہے۔''

''کل اتوار ہے خالہ!''

''تو لنچ پہ ہے نا میٹنگ۔'' (ذکیہ بیگم نے نفی میں تکان سے سر جھٹکا)

''آپ کو پتہ ہے میں پندرہ منٹ میں پلاننگ کمیشن والوں سے لنچ کی تاریخ اور وقت معلوم کرلوں گا۔''

''او کے سعدی!'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''میں نہیں آسکوں گی۔''

''ہم لوگ آپ کی فیملی ہیں' آپ کو آنا چاہیے۔ میں جتنا سب کو جوڑ کر رکھنا چاہتا ہوں' اتنے ہی سب ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔'' اس نے شاکی نظروں سے سارہ کو دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے میں گیدرنگز میں نہیں جاتی۔''

''مجھے یہ پتہ ہے کہ آپ فارس ماموں سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو دور رکھنے کی کوشش کررہی ہیں۔'' حیرت بھرے دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ قاتل نہیں ہیں' یونو ڈیٹ!''

''مگر فارس وجہ ہے اس سب کی!'' وہ قدرے بلند آواز سے بولی۔ آنکھوں میں درد' بے بسی' نمی' سب ایک ساتھ ابھرا۔ ''اس کو پھنسانے کے لئے اس کے بھائی اور بیوی کو مارا گیا۔ فارس کا مطلب ہے ''مصیبت'' اور میں اپنے بچوں کو ہر قسم کی مصیبت سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جب ایک دفعہ کوئی مرجاتا ہے تو واپس نہیں آتا' بھلے تم اس کے لئے کتنے انتقام لیتے پھرو۔''

سعدی چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا' مگر پھر مضبوطی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ ''یونو واٹ' سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ پڑتے ہیں؟ جو سب سے زیادہ مصیبتوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں... سی یو ان آفس۔'' اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ذکیہ بیگم کو سلام کرتا باہر نکل گیا۔

سارہ نے افسوس سے سر جھٹکا' پھر مڑی تو ذکیہ بیگم خفگی سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''امی' میں کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے کہا ہم نہیں جائیں گے تو نہیں جائیں گے۔'' ان سے نگاہ ملائے بغیر وہ بیگ اٹھائے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو سعدی کی کار دور جارہی تھی۔

.....❖❖❖.....

قیس تھا لاجواب لیلیٰ بھی ..... جب سوال ایک کی بقا کا تھا

اتوار کی شام یوسف صاحب کے گھر پہ کوئی ایسی دھن فضاؤں نے بکھیر رکھی تھی جس میں نہ آواز تھی' نہ موسیقی' صرف کیفیت تھی۔ خوشی کی کیفیت۔ لاؤنج میں رونق سی لگی تھی گو کہ مہمان کوئی نہیں تھا' سب اپنے ہی لوگ تھے۔ ادھر سامنے صوفے پہ ندرت اور فارس کے کزن' جمال بھائی تھے۔ ان کی بیگم تھیں۔ سارہ کی والدہ ذکیہ خالہ تھیں۔ ان کے ہمراہ شفون کا جوڑا پہنے' عرصے بعد تیار سی ہوئی' ندرت بیٹھی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے محوِ گفتگو تھیں۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر مقابل صوفوں کی سمت بھی دیکھ لیتیں' جہاں فارس بیٹھا تھا۔ اس نے آف وائٹ کرتا پہن رکھا تھا' تین ہفتے قبل جیل سے رہا ہوتے وقت کے بے حد چھوٹے بال' اب قدرے بڑھ کر اچھے لگ رہے تھے۔ البتہ خاموش تھا' سنجیدہ اور خاموش۔ بس گردن بڑے ابا کی طرف موڑے دھیان سے ان کی کوئی بات سن رہا تھا۔ بڑے ابا خوش تھے' دھیما مسکرا بھی رہے تھے۔ انہوں نے بھی آف وائٹ نئی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ تازہ دم اور صحت مند دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی فارس سے کوئی بات کہتے تو کبھی قریب بیٹھے نکاح خواں قاری صاحب سے۔ ایسے میں سیم ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے سب سے زیادہ اداس بیٹھا تھا۔ اگر ندرت اس کو غلطی سے دیکھ لیتیں تو بنا آواز کے ہونٹ ہلا کر پوچھنے لگ جاتا ''کھانا کب لگے گا۔'' اور دو تین دفعہ تو ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

راہداری سے آگے بڑھتے جاؤ تو زمر کے کمرے کا دروازہ آجاتا۔ وہ بند تھا۔ اس کے پار اندر بھی گویا مصروف سا انداز لگتا تھا۔ حنین اپنے گلابی لمبے گاؤن میں ملبوس' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' سر جھکائے' ڈریسنگ ٹیبل پہ کھلا میک اپ کا سامان ٹھیک کررہی تھی۔ ساتھ ہی امی

لی لزن فرزانہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھیں۔فرزانہ کے شوہر امجد بھائی جو زمر کے بھی کزن ہوتے تھے' سعدی کے ہمراہ سامنے کاؤچ پہ بیٹھے تھے۔

سعدی جو بھورے کرتے میں ملبوس تھا' قلم کھولتے ہوئے نکاح کے کاغذات لئے کاؤچ سے اٹھا اور جھک کر انہیں زمر کے گھٹنوں پہ رکھا' جو ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی' ان کی طرح رخ کیے ہوئے تھی۔اس نے ہلکے کام کی سفید لمبی میکسی پہن رکھی تھی۔نیچے سلک کا پاجامہ ٹخنوں لوڈھکے نظر آتا تھا۔کامدار دوپٹے کے کناروں کی سبز پائپنگ اور کہیں کہیں سبز اسٹونز کے سوا' پورا لباس سفید تھا۔بال سیدھے کر کے اونچا جوڑا بنا تھا جس پہ دوپٹہ ٹکا تھا' میک اپ ہلکا تھا' کانوں میں اور گردن میں ننھے ہیرے تھے۔وہ خوبصورت لگ رہی تھی' اور پرسکون بھی۔کافی سکون سے چہرہ جھکائے نکاح کے کاغذات کے صفحے پلٹائے' پھر کاجل سے گہری کی ہوئیں بھوری آنکھیں اٹھا کر سعدی کو دیکھا' اور سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''یہ کیا ہے؟'' امجد بھائی کی موجودگی کے باعث مسکرا کر پوچھا۔وہ بھی شرارت سے مسکراہٹ دبائے اتنی سی معصومیت سے بولا۔

''اسے نکاح نامہ کہتے ہیں۔''

''جی' مگر سعدی.... یہ سیکشن کاٹنے سے میں نے غالباً منع کیا تھا۔'' مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔اس کا اشارہ حقِ طلاق کی جانب تھا۔

''یہ آپ کے والد کی خواہش تھی' جو مجھ جیسے تابعدار پوتے نے پوری کی۔آپ کو کوئی اعتراض؟''

زمر نے گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔''میرے والد سے کہیے' جس طرح میں نے کہا تھا' ویسا ہی نکاح نامہ تیار کر کے مجھے بھجوائیں' میں دستخط کر دوں گی۔'' کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔سعدی نے مسکرا کر کاغذ کے بجائے اس کا ہاتھ تھاما' اسے آہستہ سے اسٹول سے اٹھایا' اور دروازے تک لے آیا۔دروازہ کھولا' اور سامنے لاؤنج کا منظر دکھایا۔یہاں سے بڑے ابا اور فارس نظر آ رہے تھے کیونکہ وہ مرکزی جگہ پہ بیٹھے تھے۔

''آپ یہ بات اپنے والد کو خود جا کر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔کتنے خوش ہوں گے وہ سن کر، ہے نا؟'' اسی معصومیت سے سعدی نے زمر کو دیکھا۔زمر نے اس طرف چہرہ کیا۔ابا مسکراتے ہوئے فارس سے کچھ کہہ رہے تھے۔خوش' پرامید' پہلے سے جوان۔اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔وہ تماشہ نہیں کر سکتی تھی۔زمر نے گھور کر سعدی کو دیکھا۔

''تمہیں پتہ ہے' کسی کی مرضی کے برخلاف ڈاکومنٹ پہ دستخط کروانا کتنا بڑا جرم ہے؟''

''جی۔تو آپ مجھے اس جرم میں گرفتار کیوں نہیں کروا دیتیں؟'' وہ پھر سے مسکرایا۔زمر لب بھینچے وہیں کھڑی اسے گھورتی رہی۔تبھی بڑے ابا کی بات سنتے فارس نے انہیں دیکھنے کے لئے سر اٹھایا' تو.... نگاہ پھسلی۔راہداری کے سرے پہ کمرے کے کھلے دروازے پہ وہ سعدی کے ساتھ کھڑی تھی۔نیم رخ نظر آتا تھا۔دوپٹہ سر پہ ٹکا تھا اور۔نیچے پاؤں تک گرتا میکسی کا فلیئر۔وہ سعدی کو دیکھ رہی تھی۔فارس نے ایک نظر ادھر دیکھا' پھر فوراً چہرہ موڑ کر ابا کو دیکھنے لگا۔

''میں ابا سے حساب بعد میں لے لوں گی۔اور یہ مت سمجھنا کہ ایک سیکشن کاٹنے یا نہ کاٹنے سے میرے حقوق پہ کوئی فرق پڑے گا۔'' دروازے میں کھڑے انگلی اٹھا کر دبی آواز میں اسے تنبیہہ کی۔''وکیلوں کو ایک ہزار ایک طریقے آتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق قانون کو اٹھالنے کے لئے۔'' خفگی سے اسے دیکھ کر مڑی اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ واپس اسٹول پہ آ کر بیٹھ گئی۔کمرے کے باقی لوگ اپنی آوازوں کے باعث ان کی گفتگو سے یکسر انجان رہے۔وہ بیٹھی تو سعدی نے نکاح نامہ اس کے گھٹنوں پہ رکھا' اس کے قریب جھک کر اس نے دعائیہ کلمات پڑھے۔قلم اس کے ہاتھ میں دیا۔

''کیا آپ زمر یوسف ولد یوسف خان' فارس غازی ولد طہیر غازی کو دس لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں.....'' وہ لڑکا سنجیدگی سے عقدِ نکاح کی سطور پڑھ رہا تھا۔زمر کا سر جھکا تھا' اور قلم انگلیوں کے درمیان تھا۔

''میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا۔صرف ایک گولی۔آئی ایم سوری زمر۔''

''قبول ہے۔''اس نے سر ہلا کر ہلکا سا کہا۔

''میں بے گناہ تھا میڈم زمر میں بے گناہ تھا۔''

''قبول ہے۔''

''میں....معافی....نہیں مانگوں گا۔''

''قبول ہے۔'' آخری دفعہ کہتے اس کی جھکی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔مگر اس نے وہ سب اندر اتار لی۔دھڑ ادھڑ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کیے۔قلم اور کاغذات سعدی کی طرف بڑھائے۔وہ کوئی دعا پڑھتے اٹھا' زمر کے سر پہ ہاتھ رکھا' جھک کر اس کے بال چومے اور کاغذات لئے' امجد بھائی کے ہمراہ باہر نکل گیا۔زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا تو حنین اسی طرح کھڑی تھی اور فرزانہ باجی اپنی بیٹی کے ہمراہ اسی طرح بولے جا رہی تھیں' مگر وہ جانتی تھی' کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

''مبارک ہو پھپھو۔''حنہ نے آہستگی سے نگاہ ملائے بغیر کہا تو زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔رخ واپس ڈریسنگ مرر کی جانب موڑا۔اپنا عکس دیکھا۔کامدار لباس میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔

ادھ کھلے دروازے سے باہر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ایجاب وقبول کے الفاظ۔اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے جبراً مسکراتے وہ آوازیں سنیں۔فرزانہ باجی اور ان کی بیٹی باہر نکل گئیں۔حنین وہیں کھڑی رہ گئی۔باہر دعا ہو رہی تھی۔

زمر نے جھک کر ڈریسر کا دوسرا دراز کھولا۔دو ڈبیاں نکالیں۔ایک سیاہ مخملیں ڈبی اور دوسری سرخ۔پہلی ڈبی کھولی تو وہ اندر سے خالی تھی۔سوائے ننھے سے کارڈ کے' جس پہ فارس کے لکھے الفاظ کی سیاہی ابھی تک ویسی ہی تھی۔حنہ نے ذرا چونک کر اسے دیکھا جو ساتھ ہی دوسری نئی ڈبی بھی کھول رہی تھی۔اس کے اندر وائٹ گولڈ کی ننھی سی نتھ رکھی تھی۔

''دیکھو حنہ۔ابا نے مجھے شادی کا کیا تحفہ دیا۔''زمر دو انگلیوں سے ناک کی لونگ اتارتے ہوئے بولی۔یہ واپس رکھنی تھی اور نئی پہننی تھی۔حنین ایک دم بے چینی سے سیدھی ہوئی۔

'آپ....یہ مت اتاریں۔''اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

لونگ کھولتے اس کے ہاتھ رکے۔سوالیہ نگاہوں سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔''کیوں؟''

''یہ....یہ اچھی لگ رہی ہے۔بس آپ یہ نتھ مت پہنیں۔''

''کیوں نہ پہنے؟'' آواز پہ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ندرت بڑے ابا کی وہیل چیئر لا رہی تھیں۔وہ مسکراتے ہوئے زمر کے قریب آئے' اس کے سر پہ ہاتھ رکھا' مدھم آواز میں کوئی دعا دی۔حنین اس دوران بے چینی سے انگلیاں مروڑتی رہی۔

''ہاں تو کیوں نہ پہنے میری بیٹی میرا تحفہ؟''انہوں نے مصنوعی خفگی سے حنہ کو دیکھا۔

''کیونکہ....یہ نتھ مجھے پسند آ گئی ہے۔پھپھو کے پاس تو اس سے زیادہ قیمتی والی پہلے ہی ہے۔یہ میں رکھ لوں ابا؟''لپک کر نتھ کی ڈبی اٹھائی اور معصومیت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔بڑے ابا مسکرا دیے۔

''میں نے اپنی بیٹی کے لئے خریدی تھی۔اب کون سی بیٹی اسے رکھے' یہ تم دونوں خود طے کر لو۔''

کہتے ساتھ انہوں نے زمر کے چہرے کو بھی دیکھا۔وہ بھی نرمی سے مسکرا دی۔

''شیور حنہ۔یہ تمہاری ہوئی۔''وہ ڈھیلی کردہ لونگ دوبارہ کسنے لگی۔اور ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

''تمیز ہے تم میں؟ ابا نے زمر کو شادی کا گفٹ دیا ہے' کسی کا گفٹ لینا کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟''غصے سے لال پیلی ہوتیں ندرت

۔کا بس نہیں چل رہا تھا دو تھپڑ لگا دیں اسے۔

''تو باقی سب بھی تو ابا نے دیا ہے پھپھو کو۔اب مجھے اچھی لگ گئی تو کیا ہوا؟'' وہ نروٹھے پن سے کہتی دبی مٹھی میں جکڑے کھڑی رہی۔

(تم تو گھر پہنچو تمہیں سیدھا کرتی ہوں میں۔) ندرت نے اشارۃً مدعا سمجھا دیا۔وہ ڈھیٹوں کی طرح دوسری جانب دیکھنے لگی۔زمر بڑے ابا سے بات کر رہی تھی۔پھر وہ مسکرا کر دوبارہ اسے کوئی دعا دیتے، ندرت کے ہمراہ باہر کی طرف ہو لئے تو زمر اس کی طرف گھومی۔

''تو تم ناک سلوا رہی ہو؟ اچھا لگے گا تم پہ۔'' مسکرا کر کہتے وہ کھڑی ہوئی۔ابھی بس چند منٹ میں اسے باہر جا کر مہمانوں کے سامنے بیٹھنا تھا۔فارس کے ساتھ بیٹھنا تھا، وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی' کندھے سے دوپٹے کی پن درست کرنے لگی۔

حنین ڈبی کھول کر نتھ کو یونہی چھیڑنے لگی۔

اور یہ تبھی تھا جب ان دونوں نے وہ آواز سنی۔کھلی کھڑکی کے باہر گھر کی چار دیواری تھی' اور درمیان کی چار فٹ کی گلی میں سعدی موبائل پہ عجلت میں بات کرتا چلا آ رہا تھا۔اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''مِس حلیمہ' میں سوموار کو' یعنی کہ کل' صبح دس بجے آنا چاہتا ہوں۔آ جاؤں۔؟'' وہ موبائل کان سے لگائے چہرہ جھکائے کہہ رہا تھا۔

حنین اور زمر بے اختیار اسے دیکھنے لگیں۔نکاح کے فوراً بعد' اتنے مصروف وقت میں بھی وہ کسی کو یوں باہر نکل کر کال کر رہا تھا۔زمر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتی کھڑکی کے قریب آئی۔

''او کے۔پھر میں دس بجے پہنچ جاؤں گا۔آپ....'' کہتے کہتے نگاہ اٹھائی تو کھڑکی کی جالی کے اندر دلہن بنی زمر کھڑی تھی۔وہ ''آپ ہاشم کو....'' کے بجائے ''آپ اوپر بتا دیجئے گا'' کہہ کر جلدی سے کال بند کر کے زمر کو دیکھ کر مسکرایا۔

''ہوں۔تو یہ حلیمہ کون ہے؟'' اس نے شرارتی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔سعدی نے ''اف'' کے انداز میں بھنویں بھینچ کر اسے دیکھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ایک میٹنگ کا ٹائم لے رہا تھا۔''

''اور کس سے میٹنگ؟ حلیمہ کے والدین سے؟''

''اللہ' زمر۔آپ بھی نا۔'' اس نے شرمندہ سے ہوتے ہوئے سر جھلایا۔''مجھے واقعی اس کے باس سے ملنا ہے۔''

''اچھا تو کون ہے حلیمہ کا باس؟'' وہ اسی طرح مطمئن' پرسکون سی پوچھ رہی تھی۔سعدی نے سوچتے ہوئے تھوڑی کھجائی۔کیا جواب دے؟ سات سالوں کی ساری یادیں اُمڈ کر آنکھوں کے سامنے آئیں اور پھر....

''وہ....نیسکام کا ایک سائنسدان ہے' کام کے سلسلے میں ملنا تھا اس سے۔آپ بھی نا۔'' اور بہت خفگی سے سعدی ذوالفقار یوسف خان نے جھوٹ بول دیا' پھر واپس مڑ گیا' یہ جانے بغیر کہ آج اس نے اپنی زندگی کی دوسری بڑی غلطی کر دی ہے۔پہلی اسے کل عین اسی وقت کرنی تھی۔

زمر مسکراہٹ دبائے اسے جاتے دیکھتی رہی اور حنین نے گہری سانس لے کر کندھے اچکا دیے۔

وہ دونوں' اور لاؤنج میں بیٹھے مسکراتے بڑے ابا' اور سنجیدہ سا بیٹھا فارس' اور کھانا کھلنے کا انتظار کرتا سیم' اور خوشی سے بار بار نم ہوتی آنکھوں کو پونچھتیں ندرت' اور کچن میں بھاگ بھاگ کر کام کرتا صداقت' وہ سب اس بات سے ناواقف رہے کہ ٹھیک تیس گھنٹے اور بارہ منٹ بعد' وہ سعدی یوسف کو کھو دیں گے۔

.....❖❖❖.....

''آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا''

باب 11:

# کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟

''اور ہابیل تھا بھیڑوں کا رکھوالا،
جبکہ قابیل تھا کھیت کا کسان۔
اور گزرتے وقت کے ساتھ ایسا ہوا کہ،
قابیل لایا اپنے باغ کا پھل (قدرے کم تر پھل)
قربانی کے طور پہ اپنے رب کے لیے،
اور ہابیل لایا اپنے ریوڑ کے اول زاد، صحت مند بھیڑ،
اور خدا نے عزت دی ہابیل اور اس کی قربانی کو،
مگر قابیل اور اس کی قربانی کو عزت نہ بخشی۔
پس قابیل بہت غضبناک ہوا،
اور اس کا چہرہ بجھ گیا۔
تو پکارا خدا نے قابیل کو،
'کہ کیوں ہو تم غصے میں؟ کیوں بجھ گیا ہے تمہارا چہرہ؟
اگر تم (خالص) نیکی کرو گے، تو کیا وہ قبول نہ کی جائے گی؟
اور اگر تم نہیں کرو گے (خالص) نیکی،
تو گناہ تمہاری چوکھٹ پہ گھات لگائے بیٹھا ہے۔
اور تم اس کی خواہش کے تابع ہو گے۔'
اور قابیل بات کرنے لگا اپنے بھائی ہابیل سے،
اور ایسا ہوا کہ جب تھے وہ دونوں کھیت میں،
تو قابیل اٹھ کھڑا ہوا اپنے بھائی ہابیل کے مدِ مقابل،
اور قتل کر ڈالا اسے۔
پس پوچھا خدا نے قابیل سے،

''کہاں ہے تمہارا بھائی ہابیل؟''
تو وہ کہنے لگا،
''مجھے نہیں معلوم۔ کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟''
اور اس پہ خدا تعالیٰ نے فرمایا
''یہ تم نے کیا کر ڈالا؟
تمہارے بھائی کے لہو کی آواز
مجھے زمین کے اندر سے پکار رہی ہے!
اور اب تم ملعون ہو اس زمین میں
جس نے اپنے لب کھول کر
تمہارے بھائی کا خون
تمہارے ہاتھ سے جذب کر لیا ہے۔
اب جب تم کھیتی باڑی کرو گے،
تو یہ زمین تمہیں نفع نہیں دے گی۔
ایک مفرور اور آوارہ گرد کی طرح
بھٹکتے پھرو گے تم اس زمین پہ۔'
پس کہا قابیل نے خدا سے،
''میری سزا میری برداشت سے بہت زیادہ ہے!''
(توارت)

عقدِ نکاح ہو چکا تھا۔ زمر کو اندر سے لایا گیا تو ایک طرف سیم اور دوسری طرف سعدی تھا۔ اس نے سعدی کی کہنی تھام رکھی تھی' اور اسی طرح قدم قدم چلتی' نرم مسکراہٹ کے ساتھ آگے آ رہی تھی۔ وہاں موجود تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فارس بھی۔ وہ زمر کے چہرے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں سعدی کی کہنی تک تھیں۔ زندگی پیچیدہ ہو گئی تھی۔

زمر کو اس کے ساتھ بٹھا دیا گیا تو وہ بھی اسی سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔ بظاہر وہ ندرت کی طرف متوجہ تھا جو اس سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر کنکھیوں سے اس کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا' وہ دوپٹہ اور پھر گھٹنوں سے نیچے میکسی کا فلیئر درست کرتی' مسکرا کر کسی رشتے دار کی مبارکباد کا جواب دے رہی تھی۔ اس نے میک اپ ہلکا کر رکھا تھا، اور عام حالات میں (اپنی پرکشش شخصیت سے ہٹ کر دیکھو تو) وہ جو محض متناسب شکل و صورت کی مالک تھی، آج واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

اب ندرت جھک کر زمر کو کچھ کہنے لگیں۔ آنکھیں نم تھیں جن کو وہ بار بار پونچھتیں۔ وہ جواب میں نرم مسکراہٹ سے سر اثبات میں ہلاتی رہی۔

مبارک، سلامت، مٹھائی۔ اس مختصر سی تقریب کا آخری جز مکمل ہو چکا تو صداقت دوسرے ملازموں کے ساتھ کھانا لگانے لگ گیا۔ سیم نے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے گردن اونچی کر کے آتے جاتے ملازموں کی ٹرے دیکھنی چاہی' تو حنین نے ہاتھ دبا کر اسے ٹھنڈا کیا۔

''یہ چاول اور چکن ہے۔ اتنی محنت نہ کرو۔ باربی کیو آخر میں ہے۔ میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔'' اطمینان سے اطلاع دی۔ وہ فارس

اور زمر کے صوفے کے قریب بیٹھی تھی۔ درمیان میں صرف بڑے ابا کی وہیل چیئر تھی۔

دفعتاً بڑے ابا حنین کی طرف چہرہ کر کے کہنے لگے۔ ''لڑکی' کیا تم وہ نوز رنگ پہنو گی بھی سہی یا ایسے ہی لے لی میری بیٹی سے؟''

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی اس بات پہ غیرت میں آ کر میں وہ نتھ واپس کر دوں گی تو ایسا نہیں ہونے والا۔ میں نارمل نہیں ہوں، میں حنین ہوں۔ پھپھو پہ یہی لونگ سوٹ کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ اسے اتاریں۔'' وہ بڑے ابا کی جانب چہرہ جھکا کر، آنکھیں گھما کر بولی، اور فارس نے بے اختیار اس کو دیکھا۔ مگر حنین نے بھرپور کوشش کی کہ وہ فارس کی طرف نہ دیکھے۔ شاید اسے ہنسی آ جائے۔ شاید ڈھیر سارا رونا۔

ندرت نے بھی سن لیا تھا۔ کافی ملال سے (اور حنہ کو گھورتے ہوئے) اس کی اس ''ڈھٹائی'' کو تفصیل سے بیان کرتے افسوس کرنے لگیں۔ فارس نے اپنے پیر کے انگوٹھے کو دیکھتے پوری بات سنی۔ مگر چپ رہا۔ زمر نرمی سے اتنا ہی بولی۔ ''حنہ ٹھیک کہہ رہی ہے بھابھی۔ مجھے یہ لونگ بہت پسند ہے' میں اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔''

فارس کا سر جھکا تھا' گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی نمایاں ہوئی۔ حنین بال کان کے پیچھے اڑستی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''یہ کہاں سے بنوائی تھی؟'' فرزانہ باجی زمر کے اس طرف بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''یہ میری ایک اسٹوڈنٹ نے مجھے دی تھی۔ آپ کو پتہ ہے نا، بچیاں اپنی ٹیچرز کو ایسے گفٹس دینے کے لئے کریزی ہوتی ہیں' میں ہمیشہ واپس کر دیتی ہوں' مگر یہ رکھ لی۔'' وہ جو واقعتاً اس لونگ کے حسب نسب سے ناواقف تھی، سادگی سے ان کی طرف چہرہ کیے بتائے گئی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ اشتہا انگیز خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ باتوں' مسکراہٹوں کے شور میں فارس بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ نگاہیں سامنے میز پہ جمی تھیں۔ پہلو میں بیٹھی زمر اپنا کامدار دوپٹہ درست کر رہی تھی۔ سیم نے کھانے کے لیے جاتے، اس کے گھٹنوں پہ پھول لا کر رکھے تھے' ایک کلی سے اس کے دوپٹے کا کام اڑ گیا تھا۔ وہ الجھے تاروں سے اس کو نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بار بار ٹہنی کو کھینچتی' مگر وہ الگ نہ ہو پاتی۔ وہ بے اختیار گردن جھکا کر دیکھنے لگا۔ وہ غلط سمت سے کھینچ رہی تھی' اور مسلسل حرکت پہ فارس کو اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا' اور ٹہنی کھینچ لی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نگاہیں ملیں۔ اس کی رسمی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ چہرے پہ برہمی آئی۔

''مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' دبی دبی سی وہ بولی اور سختی سے کامدار دوپٹہ چھڑایا۔ ''جب تک زندہ ہیں، یاد رکھیئے گا۔''

اور قدرے دوسری طرف سرک گئی۔ چونکہ کھانا ڈال کر اکا دکا لوگ ادھر ہی آ رہے تھے تو وہ اگلے ہی لمحے چہرے پہ پھر سے مسکراہٹ لے آئی۔

فارس نے کچھ نہیں کہا، محض لب بھینچے سامنے دیکھنے لگا، جہاں میز کے گرد کھڑے لوگ جھک کر کھانا نکال رہے تھے۔ منظر تبدیل ہونے لگا۔ فضائیں بدلیں۔ وقت چند سال پیچھے گیا۔ یونیورسٹی کی لائبریری میں اس شام کا منظر نمایاں ہوا۔ اس منظر پہ ایسی زردی چھائی تھی' جیسے پرانی کتابوں میں ملنے والے سوکھے پھولوں پہ چھائی ہوتی ہے.....

لائبریری کی کھڑکی سے باہر اترتی شام گہری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کونے والی میز پہ گھنگریالے بالوں والی لڑکی بیٹھی' چہرہ جھکائے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ، پہلی کرسی پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا زمر کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ جھکے چہرے کے باعث ایک گھنگریالی لٹ کاغذ کو چھو رہی تھی۔

دفعتاً ساتھ رکھا چھوٹا' پرانا نوکیا ذرا سا بج کر خاموش ہو گیا۔ زمر نے قدرے کوفت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ایک تو لوگ صرف مسڈ کال کیوں دیتے ہیں؟'' وہ بڑبڑائی۔ موڈ آف تھا اور تھکن زدہ لگتی تھی۔ موبائل اٹھا کر کال ملائی اور اسے کان پہ لگایا۔ قلم انگلیوں میں گھماتی' منتظر خاموشی سنے گئی۔ پھر کمپیوٹرائزڈ آواز آئی تو اس کی آنکھوں میں ڈھیروں بے زاری اتری، (بیلنس ختم)۔ جھنجھلا کر فون کان سے ہٹایا اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔

''انسان کا فون خراب نہ ہو بس!''

''یہ کس کا فون ہے؟'' وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری امی کا۔ پری پیڈ ہے۔'' پرس سے ایک کارڈ نکالا۔ ''میں پوسٹ پیڈ استعمال کرتی ہوں' وہ خراب تھا تو عارضی طور پہ یہی سہی۔'' وہ اتنی لمبی' غیر ضروری بات اس سے نہیں کیا کرتی تھی' یہ اب بھی بس برے موڈ میں بول گئی۔ کارڈ نکالا' اور چہرہ جھکائے' اس کی سلور کوٹنگ' ناخن سے رگڑنے لگی۔ فارس کے ابرو بھنچے۔ قدرے غیر آرام دہ سا وہ آگے ہوا۔

''یہ.....'' اور متذبذب سا رکا۔ زمر نے رگڑتا ناخن روک کر آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی؟''

''یہ ناخن سے نہیں اسکریچ کرتے۔ ادھر لائیے۔'' جیب سے چابی نکالتے ہوئے دوسرا ہاتھ بڑھایا۔ زمر نے ایک نظر اس کے ہاتھ پہ ڈالی' دوسری کارڈ پہ' اور پھر کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ فارس چابی نکال کر اٹھا اور کارڈ اسکریچ کرتے چند قدم آگے چلتا گیا۔ لائبریرین کی ٹیبل تک رکا' باکس سے دو ٹشو نکالے' اور واپس آیا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ٹشو اس کی طرف بڑھائے۔

''ناخن صاف کر لیں۔ یہ کوٹنگ صحت کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔'' زمر نے ٹشو پکڑ لئے' اور پھر ناخن صاف کرتی اس کو دیکھے گئی۔

وہ اب اس کا موبائل اٹھائے' کارڈ سے نمبر دیکھ کر ٹائپ کر رہا تھا۔ ری چارج کر کے موبائل اس کے سامنے رکھا۔ پھر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ متذبذب سی اسے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ بولی نہیں تو فارس کو کہنا پڑا۔

''اب ملا لیجئے کال!''

زمر نے کچھ کہے بنا پرس میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکال کر سامنے رکھا۔ فارس نے چونک کر دیکھا۔ وہ پلاسٹ میں لپٹے' نو کارڈ کی اسٹرپ تھی۔ ان میں سے دسواں کارڈ وہ تھا جو اس نے ابھی ابھی فیڈ کیا تھا۔ کارڈز اٹھاتے ہوئے' چابی دوبارہ جیب سے نکالتے وہ مسکرا دیا' اور زمر.....وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنس دی۔

''تھینک یو۔ مجھے یہ.....'' انگوٹھے کا ناخن اٹھا کر بتایا۔ ''.....ناخن سے نہیں کرنا۔ جب تک زندہ ہوں' یاد رکھوں گی۔''

زرد زمانوں کی شام وقت کی دھول میں مدھم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نئے اور رنگین مناظر اطراف میں ابھرنے لگے۔

باتیں' قہقہے' برتنوں کی آواز۔ کھانے کی خوشبو۔ وہ سر جھٹک کر واپس حال میں آیا۔ تقریب جاری و ساری تھی۔

❖❖❖

کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے ..... رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟

قصرِ کاردار کے اونچے ستون رات میں بھی روشن نظر آتے تھے۔ ایسے میں فیونا لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی اور نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ بجا کر کھولا۔ نوشیرواں اندر نہیں تھا' غالباً باتھ روم میں تھا۔ مدھم بتی جل رہی تھی۔ وہ پانی کی بکٹ لئے بالکونی کی سمت باہر نکل آئی۔ باری باری پودوں کو پانی دیا۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر انیکسی کی سمت بھی دیکھ لیتی جہاں سفید پاؤں کو چھوتے لباس والی دلہن کو ایک خاتون ہاتھ سے پکڑ کر گاڑی سے باہر لا رہی تھیں۔ فیونا نے اشتیاق سے گردن اونچی کر کے دیکھنا چاہا مگر دلہن کی پشت تھی۔ وہ مایوس ہو کر اندر آ گئی۔

واپس جاتے جاتے اسٹڈی ٹیبل تک ٹھہری۔ وہاں کاغذ کی کھلی پڑیا رکھی تھی۔ اس پہ سفید دانے دار شے رکھی تھی۔ اس نے ٹھٹھک کر اس پڑیا کو دیکھا۔ بے اختیار استعجابیہ ابرو اٹھائی۔ تبھی باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ فیونا چونک کر اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے وہ آ رہا تھا۔ ملگجے لباس اور سرخ آنکھوں کے ساتھ' وہ بہت سست سا لگ رہا تھا۔ فیونا نہیں ہلی' وہیں کھڑی رہی۔ نوشیرواں اسے دیکھ کر چونکا' فوراً سے پڑیا کو دیکھا۔ پھر ابرو تن گئے۔ بے زاری سے سر جھٹکا۔

''جاؤ' جا کر بتا دو ہاشم بھائی کو کہ میں ڈرگز لے رہا ہوں۔''

فیئو نا نے تھوک نگلا، بظاہر مسکرائی۔

''اگر میں گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو بتانے والی ہوتی تو مسز کاردار مجھے پہلے دن ہی نکال دیتیں' سر۔ میں آپ کی ملازمہ ہوں' آپ کے حکم کی پابند ہوں۔'' تابعداری سے سر جھکا کر وہ بولی تو شیرو مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا' پھر اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ چابی کے لوہے سے ٹکڑوں کو چور چور کرنے لگا۔

''سر' کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟'' قدرے ہمدردی سے اس نے ڈرگ پیتے شیرو کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''مجھے کسی کی مدد کی کیا ضرورت؟'' بے پرواہی سے شانے اچکائے مگر آواز میں اداسیاں گھل رہی تھیں۔ ''میں نوشیرواں کاردار ہوں' بھائی کہتا ہے' تم ایک بڑے خاندان میں پیدا ہونے والے بڑے انسان ہو۔ میں کیوں مدد مانگوں گا کسی سے؟'' وہ جیسے خود پہ طنز کر رہا تھا۔ فیئو نا بکٹ پکڑے فکرمندی سے بھنویں سکیڑے دو قدم آگے آئی۔

''آپ کو ایسے نہیں سوچنا چاہیے۔ آپ واقعی ایک بڑے انسان ہیں۔'' فیئو نا نے رک کر مزید خوبیوں والے سابقے لاحقے جوڑنے کی کوشش کی مگر.... شیرو کی کوئی خوبی یاد نہیں آ رہی تھی۔

''ہونہہ۔'' سر جھکائے' چابی سے پاؤڈر پیستے' اس نے استہزاء سے سر جھٹکا۔ ''پتہ نہیں۔ کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ ممی نے میرا نام نوشیرواں رکھا۔ جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟''

فیئو نا نے نفی میں گردن ہلائی۔

''بادشاہ۔ سپر ہیرو۔ ہونہہ۔'' پھر سر جھٹکا۔ بے اختیار ایک منظر یاد آیا۔

کوریا جا کر اغوا کا ڈرامہ کرنے سے چند دن قبل حنین کو دیے جانے والے ڈنر میں جب سب لاؤنج میں بیٹھے تھے تو جواہرات نے ندرت کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔ ''مجھے نہیں لگتا مجھے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام سے زیادہ کوئی نام پسند ہے۔ نوشیرواں۔ ایک بڑا بادشاہ۔ ایک بڑا ہیرو۔ سپر ہیرو۔'' فخر سے گردن تن کر نوشیرواں کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں مسکرا کر بولی تھی۔ وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔

اور وہ تیز طرار لڑکی۔ وہ شدید اداری ٹیٹنگ حنین' وہ فوراً سعدی کے قریب جھکی اور کان میں سرگوشی کی۔ ''بھائی' اگر یہ لوزر سپر ہیرو ہے تو میں تو پھر ہیلن آف ٹرائے ہوں۔'' اور سعدی نے بہت دقت سے اپنی مسکراہٹ روک کر اس کو چپ رہنے کو کہا' کیونکہ نوشیرواں قریب ہی بیٹھا تھا۔ اور اس نے سن لیا تھا.....

''میرے نام سے لے کر میری شخصیت تک' میری ہر چیز کا مذاق بناتے ہیں وہ دونوں۔'' چابی زور زور سے پاؤڈر پہ دباتا وہ کہہ رہا تھا۔ ''یونیورسٹی سے لے کر اب تک' وہ سعدی' وہ ہمیشہ میرا کمپیٹیشن بنا رہتا ہے۔ ممی کی نظر میں' ہاشم بھائی کی نظر میں' وہ بہت اعلیٰ چیز ہے' اور میں کیا ہوں؟ ایک لوزر؟'' اس کی آواز سے اکتاہٹ مفقود ہو کر دکھ میں بدلتی جا رہی تھی۔ فیئو نا تاسف سے اسے دیکھتی، سنتی گئی۔

''اس نے میرا ہر رشتہ خراب کیا ہے۔ ممی کو میری شکایت لگاتا تھا' تب سے اب تک' ممی میری طرف سے ان سیکیور رہتی ہیں۔ ہاشم بھائی کو وہ اغوا والی بات بتائی' وہ آج تک مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے' کبھی میرا فون لے لیتے ہیں' کبھی مجھے جھڑک کر کہتے ہیں کہ شیرو' تم کچھ نہیں کرو گے' جیسے میں تو اب قابلِ اعتبار رہا ہی نہیں۔ پتہ نہیں کیا کر بیٹھوں۔'' چابی پرے ڈالی اور گہری سانس لے کر ٹیک لگالی۔ چہرہ اب بالکونی کے دروازے کی طرف تھا' اور وہاں سے آتی روشنی میں اس کی آنکھوں میں کچھ بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔

''اور میرے ڈیڈ... اس نے ڈیڈ اور میرے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کر دیا کہ میں ان کی منتیں کرتا رہا' وہ مجھے معاف کر دیں' مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتے تھے۔۔۔'' اس نے آنکھیں بند کیں، زخم پھر سے تازہ ہوئے۔ ''اس رات تو میں نے سوچ لیا تھا' آج سونے سے پہلے

میں ان کے پاس جاؤں گا' ان کے گلے لگ جاؤں گا' اور.... اور اس دفعہ وہ مجھے معاف کر دیں گے' اور اسی رات فیونا میرے ڈیڈ مر گئے۔''

فیونا کو احساس ہوا کہ بے خودی کے عالم میں بند آنکھوں سے بولتا شیروغالباً منشیات کے زیرِ اثر ہے۔ اسٹڈی ٹیبل کے قریب بن میں خالی پڑیاں تازہ تازہ گرائی نظر آ رہی تھیں۔

''اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ مجھے لگا سعدی اس سے بڑا نقصان مجھے نہیں پہنچا سکتا۔ مگر....'' کرب بڑھا۔ ''اس نے پہنچایا۔ وہ لڑکی جسے میں پسند کرتا ہوں' اس نے اسی کو بلیک میل کیا' اور پھر میرے اور اس کے رشتے کو اتنا پیچیدہ کر دیا کہ ہاشم بھائی اور ممی.....'' آنکھیں کھولیں نفی میں سر ہلایا۔ ''اب وہ کبھی مجھے اس لڑکی کے ساتھ تعلق رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ سعدی نے میرے ہر رشتے کو خراب کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ سست ڈھیلے انداز میں نفی میں سر ہلاتے کھڑکی کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔

''ایک دن میں اس سے انتقام لوں گا۔ ہر چیز کا انتقام۔'' ذرا دیر کو ٹھہرا۔ ''اب تم جاؤ فیونا۔ اور دوبارہ شکل مت دکھانا مجھے۔''

فیونا قدرے گڑبڑا کر جی اچھا کہتی باہر نکل گئی۔ نوشیرواں کرسی پہ بیٹھا' اسی طرح باہر کی روشنی کو دیکھتا رہا جو کمرے کا اندھیرا دور کرنے کے لئے اب بھی ناکافی تھی۔

.....❖❖❖.....

خود کو بکھرتے دیکھتے ہیں، کچھ کر نہیں پاتے ..... پھر بھی لوگ خداؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

وہ کتنی ہی دیر ادھر بیٹھا رہا۔ پھر مدھم سی دستک ہوئی تو اٹھا۔ انداز پہچانتا تھا' سو سائیڈ ٹیبل سے ماؤتھ فریشنر اٹھا کر منہ میں اسپرے کیا اور چہرے پہ بشاشت لاتا دروازہ کھولا۔

ہاشم کافی کا مگ پکڑے سامنے کھڑا تھا۔

''سعدی نے میری سیکرٹری کو فون کیا ہے۔ وہ صبح آئے گا ہم سے ملنے۔ ہم تینوں کو وہاں ہونا چاہیے۔ ایک خاندان کی طرح، ہوں؟''

مگ سے گھونٹ بھر کر اسے نیچے کرتے ہوئے، سنجیدگی سے تاکید کی۔ وہ مطمئن اور پُر اعتماد لگ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں تیار رہوں گا۔''

''گڈ!'' اس کی نگاہوں اور الفاظ کے ''عجیب'' سے انداز کو وہ محسوس کرتا مگر جیب میں رکھا موبائل بجا۔ وہ پیغام چیک کرتا اپنے کمرے تک آیا۔ مگ اور فون اسٹڈی ٹیبل پہ دھرا اور بالکونی کے دروازے میں کھڑی سونی کو پیچھے سے آ کر بازوؤں میں اٹھایا' اس کا گال چوما اور چہرہ اپنی طرف کیا۔ وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسنے لگی۔

''بابا.... ادھر کون آیا ہے؟'' چہرہ سیدھا کر کے اس نے چمک دار شرارتی آنکھوں سے پوچھا۔ ہاشم نے بالکونی کے پار دیکھا جہاں رات اتر چکی تھی' اور نیچے انیکسی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک کار واپس جا رہی تھی۔ سعدی کی کار۔ اور برآمدے میں سفید کرتے میں کھڑا فارس کار کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

''ہماری فیملی میں ایک ناخوشگوار اضافہ۔ صبح ملاقات کریں گے ان سے بھی۔'' وہ بھی محظوظ سا ہو کر خود سے بولا' اور سونیا کو اٹھائے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' جہاں لیپ ٹاپ کھلا تھا' اور چند فائلز اس کی منتظر تھیں۔

''بابا اب کام کریں گے' اور سونی اب سونے جائے گی' ٹھیک۔'' وہ کرسی دھکیل کر بیٹھتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا جب موبائل بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر ہاشم نے بے چینی سے اسے اٹھایا۔

''ہاں خاور۔''

''آپ درست تھے۔ سعدی فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے کچھ ملا ہے۔'' دوسری طرف خاور بولتا جا رہا تھا اور ہاشم مسکرا کر سنتا گیا۔ پورے جسم و جاں میں گویا سکون سا پھیل گیا۔

''زبردست خاور۔ تم نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا کہ تم میرے لئے کتنے اہم ہو۔ کل ہم ایک ساتھ اس لڑکے کو کنفرنٹ کریں گے۔'' مسکرا کر اس نے موبائل رکھ دیا۔

دیوار کے پار' نوشیرواں اپنے کمرے میں ڈریسنگ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ وارڈ روب کھلا تھا۔ ٹائی ریکس' کف لنکس۔ کوٹ۔ شرٹس۔ اس نے آہستہ آہستہ ہر ریک سے ایک ایک چیز چننی شروع کی۔ ٹام فورڈ کا سوٹ' ہیری روزن کی شرٹ' Zegna کی ٹائی۔ لباس کا چناؤ کر کے اسے سامنے لٹکایا۔ پھر اسی خاموشی سے ایک الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سیف نصب تھا۔ اس نے کوڈ دبایا تو ننھا دروازہ باہر کو کھلا۔ شیرو نے ہاتھ اندر ڈال کر نکالا تو اس میں ایک Glock کی سیاہ چمکتی پستول (گن) تھی۔ G-41۔ برانڈ ڈ تازہ ماڈل۔ اس نے گولیاں نکالیں اور انہیں میگزین میں بھرنے لگا۔

ایک.....دو.....(تم نے وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں جن پہ یوزمی لکھا ہوتا ہے؟)

پانچ.....چھے.....(ہاں نوشیرواں میرے بہن بھائی نے تمہارے جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں)

دس.....گیارہ.....(تمیز سے بات کرو میری بہن سے، چلو حنہ یہاں سے)

بارہ اور یہ ہوئے مکمل تیرہ۔ بھرا ہوا پستول اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس بھاری لوہے کے ہاتھ میں آ جاتے ہی جسم میں گویا کرنٹ سا دوڑنے لگا۔ گردن مزید اکڑ گئی۔ لبوں پہ تنفر بھری مسکراہٹ آ گئی۔

''نہیں ہاشم بھائی۔ آپ سعدی یوسف کو نہیں سنبھال سکتے۔'' پستول پہ نظریں جمائے وہ خود سے بڑبڑایا۔ ''یہ وہ مسئلہ ہے جسے میں خود سنبھال لوں گا۔ کل کا دن اس کا اس دنیا میں آخری دن ہوگا۔ بس بہت ہو گیا۔''

ایک مضبوط عزم کے ساتھ اس نے کل کے لباس کے اندر پستول رکھا اور پھر بستر کی طرف چلا گیا۔

.....❖❖❖.....

یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں ..... شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی

جس وقت ہاشم اور نوشیرواں اپنے اپنے ارادوں کو سوچنے میں مصروف تھے' انیکسی کے باہر سے سعدی کی کار گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فارس برآمدے میں کھڑا الوداعی انداز میں ان کو جاتے دیکھتا رہا۔

اندر گھر میں سناٹا تھا۔ اس کا گھر' زمر کا سامان' ہر شے ترتیب دے کر' سارے کام ختم کر کے' ندرت جو رخصتی کے ساتھ ہی ادھر آ گئی تھیں' اب اس گاڑی میں بیٹھی واپس جا چکی تھیں اور پیچھے گھر بالکل خاموش اور ویران سا ہو گیا تھا۔ لاؤنج میں کھڑے فارس نے گردن اٹھا کر اوپر جاتے لکڑی کے گول زینے کو دیکھا جس کے اختتام پہ دو بیڈ روم تھے۔ ایک وہ جو کبھی فارس اور زرتاشہ کا ہوا کرتا تھا' اور دوسرا وہ جس میں اس وقت وہ بیٹھی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر قدم قدم زینے چڑھنے لگا۔ لکڑی پیر کے نیچے ہلکی سی چٹخی۔ خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ اوپر آیا۔ ''اس'' کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر زرد روشنیاں جلی تھیں۔ سنگھار میز' اور دوسری دو میزوں پہ پھولوں کے تین بوکے رکھے تھے۔ وہ بھی سعدی نے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی شے ایسی نہ تھی جو سجاوٹ کہلائی جا سکتی تھی۔

چوکھٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا۔

بیڈ خالی تھا۔ نگاہیں آگے پھسلیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی تھی۔ فارس کی طرف پشت تھی۔ مگر آئینے میں اس کا عکس دکھائی دیتا تھا اور چوکھٹ میں کھڑا فارس بھی نظر آتا تھا۔ وہ مصروف سی' بندے اتار رہی تھی۔ کامدار دوپٹہ سر پہ تھا اور آنکھوں کا کاجل اب بھی تازہ تھا۔

''سب جا چکے ہیں۔'' وہ وہیں کھڑے کھڑے' ہلکے مگر سپاٹ انداز میں بولا۔ ''آپ کا سامان میں نے ادھر رکھوا دیا تھا۔ کچن نیچے ہے اور اس میں تقریباً سب کچھ موجود ہے۔ آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ اس گھر کی ڈبلی کیٹ چابیاں پڑی ہیں آپ کے لئے۔ سوائے....'' وہ رکا۔ ''نیچے بیسمنٹ کے۔ اس کے لاک کی چابی میرے پاس ہوگی۔ اس میں میری بیوی کی بہت سی چیزیں ہیں' اور میں نہیں چاہتا کہ ان کو کسی بھی طرح کا کوئی نقصان پہنچے۔ باقی پورا گھر آپ کا ہے۔ جو چاہے کریں۔''

وہ آئینے میں خود کو دیکھتے دوسرا بُندہ اتار رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ ''میں نے کچھ بھی نہیں مانگا۔ آپ اپنے الفاظ ضائع نہ کریں۔'' بُندہ اتار کر چہرہ جھکائے اسے جیولری باکس میں رکھا۔

فارس چند لمحے لب بھینچے خاموش کھڑا رہا' پھر جانے کو مڑا' اور جیسے نہ چاہتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ کو کوئی چیز چاہیے؟''

زمر نے چہرہ سیدھا کیا، اور نکا اتارنے لگی۔

''صرف یہی کہ میرے سامنے کم سے کم آیا کریں۔ مجھے بہت کچھ یاد آنے لگتا ہے۔''

فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری جو اس نے بمشکل ضبط کی۔ ''ایسے بات مت کیجئے جیسے آپ مجھے جانتی ہیں۔''

نکا اتارتے اس کے ہاتھ رکے' وہ اسٹول سے اٹھی، اس کی جانب گھومی، آنکھوں میں چبھن لیے اسے دیکھا۔ ''میں جتنا آپ کو جانتی ہوں، اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

''اور پھر بھی آپ نے مجھ سے شادی کر لی؟''

''آپ کو پتہ ہے میں نے آپ سے کیوں شادی کی ہے!'' وہ بھی اتنی ہی بے زاری سے کہہ کر گھوم گئی، اور آئینے میں دیکھتی نکا اتارنے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا آپ اتنی ظالم ہیں۔'' چوکھٹ میں کھڑے، سینے پہ بازو لپیٹے، وہ اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا تھا تو زمر نے نکا اتارتے ہوئے، اس کے عکس کو تیز نظروں سے گھورا۔

''آپ اس سب کے حقدار ہیں۔ یہ مت سمجھئے کہ جیل سے نکلنے کے بعد آپ کی سزا ختم ہوگئی ہے!''

''اچھا!'' اس نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ویسے کیا کریں گی آپ میرے ساتھ، مجھے بھی تو بتایئے۔'' دیوار سے ٹیک لگائے، وہ اس کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔

''میرا اور اپنا وقت ضائع مت کیجئے، اور جایئے یہاں سے۔ اگر آپ کچھ دیر مزید یہاں ٹھہرے تو خدا کی قسم، میں....'' دبے دبے لہجے میں اس نے ایک نظر فارس پہ ڈالی اور دوسری پھلوں کی ٹوکری میں رکھی چھری پہ ''....کچھ کر بیٹھوں گی!''

فارس نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ آنکھوں میں افسوس در آیا۔

''گڈ نائیٹ!'' کہہ کر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا، نظریں ابھی تک اس پہ تھیں۔ وہ ان الفاظ پہ تیزی سے چوکھٹ تک آئی' دروازے کا ہینڈل پکڑا' اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ''گڈ نائٹ' فارس۔'' کہہ کر دروازہ زور سے بند کیا۔ لاک کے دو کلک ہوئے اور اندر سے مقفل ہو گیا۔ فارس نے گہری سرد سانس خارج کی، ہلکے سے سر جھٹکا' اور مڑ گیا۔

اپنے کمرے میں آیا تو وہاں مرکزی دیوار پہ آج بھی زرتاشہ اور اس کی تصویر آویزاں تھی۔ وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی اور مسکرا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تمام مناظر لہرائے جب وہ زرتاشہ سے اکھڑے لہجے میں یا غصے سے بات کر جاتا تھا۔ اور ایک یہ عورت تھی.... اس نے دیوار کو دیکھا جس کے پار وہ پھولوں سے مہکتا کمرہ تھا..... اور ایک یہ عورت تھی جس کو کچہری میں لوگ روز منوں کے حساب سے گالیاں دیتے تھے مگر ایک یہی عورت تھی جس پہ اسے غصہ نہیں آتا تھا۔

''آپ اس دن کیا کریں گی میڈم پراسیکیوٹر' جس دن آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی سچا تھا؟'' تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا تھا۔

باہر رات اسی طرح بھیگ رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں موجود زمر اب لباس تبدیل کر کے اس اجنبی بیڈ پہ آ بیٹھی تھی۔ زمر کا فرنیچر۔ زمر کا نیا بیڈ کور۔ مگر پھر بھی ہر شے پرائی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے فارس کے سامنے کا بے تاثر چہرہ اب تکلیف کے احساس میں لپٹا تھا۔ وہ اداسی سے بیڈ کور پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''کیا بگاڑا تھا میں نے فارس کا جو اس نے میرے ساتھ یہ کیا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے پھسلا۔ مگر اداسی الفاظ تک ہی محدود رہی۔ نہ دل بھر آیا' نہ آنکھ بھیگی۔ وہ زمر تھی' وہ رلا سکتی تھی' مگر وہ روتی نہیں تھی۔

رات مزید گہری ہوتی چلی گئی اور اب چند گھنٹے بعد اس نے ایک ایسے دن کو جنم دینا تھا جو ان دو خاندانوں میں سے کسی کو بھی بھولنے والا نہیں تھا۔

❖❖❖

یہ لوگ کیسے مگر دشمنی نباہتے ہیں ..... ہمیں تو راس نہ آئیں محبتیں کرنی!

صبح پورے اسلام آباد پہ طلوع ہوئی تو اس میں باسی گلاب کی پتیوں اور کافور کی خوشبو پھیلی تھی۔ دور جنگلوں میں جانوریوں نوحہ بلند کر رہے تھے جیسے رات کی تاریکی میں کوئی غارت گر کسی ننھے بھیڑ کے بچے کو چیر پھاڑ کر چلا گیا ہو۔

قصرِ کاردار کے سبز زار پہ واقع انیکسی کے اندر بھی صبح کی روشنی پھیلی تھی۔ فارس اوپن کچن کی گول میز کے گرد بیٹھا' مگ سے چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا جب لکڑی کے زینے پہ باریک ہیل کی آواز نیچے آتی سنائی دی۔ وہ نہ رکا' نہ مڑا۔ سامنے فریج کے چمکتے دروازے میں عکس دکھائی دے گیا تھا۔

وہ سیاہ منی کوٹ پہنے' بیگ اور فائلز اٹھائے زینے اتر رہی تھی۔ گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور موبائل پہ کوئی پیغام ٹائپ کرتے ہوئے نگاہیں جھکی تھیں۔ اسی طرح چلتی آئی اور فریج کے پاس رکی۔ ڈور کھولا۔ ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی۔

''تو آپ آفس جا رہی ہیں؟'' نگاہیں اس پہ جمائے' چائے کا گھونٹ بھرتا' وہ ہلکے سے بولا۔ وہ اسٹول پہ بیٹھی اس کی طرف پشت کیے' پانی پینے لگی۔ جواب نہیں دیا۔

''ویسے پراسیکیوٹر صاحبہ!'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے' کوئی غیر محسوس سی مسکراہٹ دبائے' وہ ہلکے انداز میں گویا ہوا۔ ''آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ اگر میں آپ کے والد کو جا کر اس شادی کی حیثیت بتا دوں تو کیا ہوگا؟''

زمر پانی پی کر کھڑی ہوئی' نل سے گلاس دھویا' واپس رکھا' اور اس کی جانب گھومی۔ سنجیدہ' چبھتی ہوئی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''آپ کبھی بھی یہ نہیں کریں گے۔''

''اچھا؟'' فارس نے ابرو اٹھایا۔ ''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں یوسف صاحب کے سامنے جا کر یہ بات ان سے نہیں کہوں گا؟''

زمر کے لبوں پہ ہلکی سی' تلخ مسکراہٹ آئی۔ ''کیونکہ سامنے سے کچھ کرنے کے لئے جو guts چاہیے ہوتے ہیں' وہ آپ میں نہیں ہیں۔ آپ صرف پیچھے سے وار کرنے والوں میں سے ہیں۔'' ٹھنڈے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔ فارس کی دبی ہوئی

مسکراہٹ بھی غائب ہوئی' ابرو اکٹھے ہوئے' آنکھوں میں سختی در آئی۔ مگ کے ہینڈل کو زور سے دبایا مٹھی میں بھینچا' گویا ضبط کیا ہو۔

''کیوں؟ غصہ آ رہا؟ مجھے بھی آیا تھا۔ مگر اب نہیں آتا۔'' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈال کر وہ اپنی فائلز سمیٹتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر رکی' اور مڑ کر اسے دیکھا۔ ''مجھ سے مخاطب ہونے کی کم سے کم کوشش کیا کیجئے۔ اور ہاں' آئندہ اس کانٹریکٹ کو شادی مت کہیے گا۔ اٹ....'' سلگتی نظروں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ ''آپ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف میرے باپ کے مقروض ہیں اور اپنا قرضہ اتار رہے ہیں۔''

فارس نے چہرہ موڑ لیا اور مگ سے گھونٹ بھرنے لگا۔ وہ راہداری عبور کر کے دروازہ تک آئی ہی تھی کہ وہ بجا۔ زمر نے اسے کھولا۔ وہ بے اختیار اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ سامنے سے ہٹی تو باہر کھڑا شخص نظر آیا اور اسے دیکھتے ہی فارس نے بے زاری سے چہرہ پھیر لیا۔

''گڈ مارننگ' مسز غازی!'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' ہاشم نے مسکرا کر کہا تو زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ آفس کے لئے تیار لگ رہا تھا۔ وجیہہ اور ہشاش بشاش۔ چوکھٹ پہ کھڑا تھا اور پرفیوم کی خوشبو انیکسی کے اندر تک پھیل گئی تھی۔

''مارننگ' کاردار صاحب۔'' وہ جبراً مسکرائی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ کو اس....'' ہاشم نے نگاہیں آگے پیچھے دوڑائیں۔ ''....گھر میں دیکھ کر۔ آرام سے ہیں آپ؟''

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی آپ کو اپنے ہمسائے میں دیکھ کر۔ امید ہے ملاقات ہوتی رہے گی۔ اب اگر آپ مجھے اجازت دیں ' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''میری آج پیشی ہے اور مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''پہلے میری بات سن لیجئے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آج رات آپ ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔ تم نے سن لیا' فارس؟'' ساتھ ہی ہانک آواز میں پکارا۔

میز پہ موجود فارس نے اکتا کر سر جھٹکا۔ ''میں مصروف ہوں۔''

مگر ہاشم نے توجہ نہیں دی۔ ''مجھے منفی جواب کی عادت نہیں ہے۔ ہم ڈنر پہ آپ کا انتظار کریں گے۔ ٹھیک آٹھ بجے۔'' اپنی کلائی کی گھڑی کے ڈائل پہ انگلی سے دستک دے کر دکھایا۔ زمر نے گہری سانس لے کر سر کو خم دیا۔ ''شیور۔ ہم آئیں گے۔'' وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے نکلنے کے چند لمحے بعد زمر' پیچھے دیکھے بنا' باہر نکلی۔ ہاشم کی کار دور جا رہی تھی۔

وہ انیکسی کے برآمدے کے زینے اترتی سبزہ زار پہ آئی۔ وہاں فارس اور اس کی کاریں کھڑی تھیں۔ اپنی کار کا لاک کھولتے' زمر نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا۔ سامنے قصرِ کاردار کی عقبی بالکونیاں دکھائی دیتی تھیں۔ ایک بالکونی ہاشم کے کمرے کی تھی' اسے اندازہ لگا چابی گھماتے ہوئے اس کی نگاہیں دوسری بالکونی تک گئیں' جس کے شیشے کے دروازے کے پیچھے کمرے میں کوئی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ زمر نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ تو نوشیرواں تھا۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا' جو لبوں لگائے ہوئے تھا۔ اس نے بھی غالباً زمر کو دیکھ لیا تھا' فوراً سگریٹ والا ہاتھ پیچھے کرتا مڑ گیا۔ زمر سر جھٹک کر کار میں بیٹھ گئی۔

❖❖❖

قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو ..... ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں!

وہ صبح کافور کی مہک لئے' چھوٹے باغیچے والے گھر پہ بھی ویسی ہی پُر ملال سی طلوع ہوئی تھی۔ ندرت کچن میں کھڑیں' ناشتہ بنا رہی تھیں۔ سعدی کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ غالباً وہ تیار ہو رہا تھا۔

راہداری میں آگے جاؤ تو حنین اپنے کمرے کے بیڈ پہ ٹیک لگائے' بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں سفید جلد والی کتاب تھی جو کل رات وہ سامان میں دیکھ کر وہ اس سے پوچھ کر لے آئی تھی۔ زمر نے نہ وہ پڑھی تھی' نہ پڑھنی تھی۔ اب اس کے صفحوں کے کنارے ناخن سے

رگڑتی' وہ سوچے جا رہی تھی۔

''شکر ہے کل نکاح پہ ہاشم بھائی نہیں تھے' ان کو دیکھتے ہی امتحانی مرکز والا واقعہ یاد آ جاتا' اور بھائی کے سامنے اپنا آپ مجرم لگنے لگتا۔'' وہ مدھم آواز میں بڑبڑائی تھی۔ پھر ابرو تفکر سے بھینچے۔ ''مگر بھائی کو بتاؤں یا نہیں؟'' الجھتے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔ پھر نگاہیں کتاب تک گئیں۔ تو تمام خیالوں کو ذہن سے ہٹاتے' اسے کھول لیا۔

وہ دروازہ سامنے تھا جو اسے صدیوں پہلے کے زرد زمانوں میں لے جایا کرتا تھا۔

اس نے اسے دھکیلا۔ اونچے پٹ وا ہوئے۔ دوسری جانب چاند کی ٹھنڈی میٹھی روشنی میں ڈوبی رات تھی۔ ایک کھلا میدان اور سامنے.... حنین نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ایک بلند' مضبوط قلعہ جس کے آگے پہریدار چکر کاٹ رہے تھے۔

اس سارے سیاہ سفید منظر نامے میں وہ ماتھے پہ کٹے بالوں اور ہیئر بینڈ والی لڑکی گلابی قمیص اور سفید ٹراؤزرز میں ملبوس' فریش سی نظر آتی تھی۔ مگر صدیوں پہلے کے لوگ اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

وہ آہنی گیٹ عبور کر کے کھلے صحن میں آئی۔ اسے پار کیا تو آگے برآمدہ تھا۔ وہ اندر چلتی آئی۔ اندھیرا بڑھ گیا۔ مگر جیسے جیسے وہ قدم آگے بڑھاتی گئی' راہداری کی دیوار پہ قطار میں نصب مشعل دان جلتے گئے۔ جیسے کوئی قدیم زمانوں کا جادو ہو۔

اندھیرا قدرے کم ہوا۔ وہ ایک کوٹھڑی کے سامنے جا رکی۔ اس کے دروازے پہ زنجیروں میں لپٹے تالے' مشعل دان کے پھڑپھڑاتے زرد شعلوں میں دکھائی دیتے تھے۔ دیوار پہ ایک ابھری ہوئی چوکی تھی۔ حنین دیوار کو پکڑے' اس چوکی پہ کھڑی ہوئی تو چہرہ ایک سلاخ دار کھڑکی کے برابر آیا۔ بے چین نگاہوں سے' سلاخیں پکڑے' اس نے اندر جھانکا اور پھر گہری سانس بھری۔

اس کے شیخ (استاد) سفید' خستہ حال لباس میں' الجھے بال اور داڑھی کے ساتھ' چہرے اور ہاتھوں پہ زخموں کے نشان لئے' دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ کھڑکی سے چند ہاتھ دائیں طرف۔

''اے شیخ۔ میں اتنے برسوں بعد آئی ہوں' اور آپ کو اس قید خانے میں بند دیکھتی ہوں۔ ایسا کیا کر دیا آپ نے؟ آپ کا خلیفہ تو مسلمان ہے نا؟'' افسوس سے سر ہلاتے اس نے سوال کیا۔

اندر دیوار سے لگے کھڑے شیخ معلم نے تکان مگر سکون سے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔

''شد الرحیل الی قبر الخلیل۔'' (سواری کا باندھنا' محبوب کی قبر تک جانے کے لئے)

''انہوں نے یہ کہا تو آپ نے کیا کہا؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''بدعت' بدعت!''

''اُف!'' حنین نے گہرے تاسف سے انہیں دیکھا۔ ''ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ بدعت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت' کی نیت سے سواری باندھنا بدعت ہے' نیت مسجدِ نبوی ﷺ کی ہونی چاہیے' ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے۔ مگر شد الرحیل الی قبر الخلیل کا انکار آپ کو زنداں میں لے آیا' اے شیخ۔'' ملامتی نظروں سے وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ ''مطلب' کیا ضرورت تھی اتنا کھلم کھلا اسٹینڈ لینے کی۔ اور ہاں' فائدہ کیا ہوا اس اسٹینڈ کا؟ اب تو ایک دنیا جاتی ہے مدینہ صرف روضہ مبارک کی نیت لے کر' جالیوں سے دعاؤں کی پرچیاں تک پھینکتی رہیں عورتیں' اب قبر کی نیت اور مسجد کی نیت کا زمین آسمان جتنا فرق کسی کو نہیں سمجھ آتا۔ مجھے بھی بھائی نے ایک زمانے میں بتایا تھا' اب تو بھول بھال گیا۔''

شیخ خاموشی سے کھڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھے گئے۔ وہ سیاہ ہو رہے تھے۔ حنین نے چہرہ مزید آگے کر کے اندر جھانکا۔

''آپ کی کتابیں' قلم..... کیا سب چھین لئے انہوں نے؟ اُف....'' کراہ کر اس نے آنکھیں میچیں۔ ''ٹھیک ہے' بندہ حق بات کہتا

ظالم حکمران کے سامنے' مگر یار اتنا بھی کیا کہ اس بات کے پیچھے ساری زندگی برباد کر ڈالو اپنی۔ کتاب تو آپ کی ادھوری رہ گئی۔ اب لکھیں گے کیسے؟'' آنکھیں کھول کر مزید برہمی سے ان کو دیکھا۔ وہ اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ حنہ ایک دم چونکی۔ فرش پہ چند کوئلے رکھے تھے اور..... اس کی نظریں اوپر اٹھتی چلی گئیں۔ دیواروں پہ جا بجا کوئلے سے عبارتیں لکھی تھیں۔ آیات' احادیث' قرآن کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد کے نکات..... دیواریں بھری پڑی تھیں۔

''جب تک اللہ نہ چھینے' کوئی نہیں چھین سکتا۔'' اس کو بالکل ساکت' متعجب پا کر وہ بولے تھے۔ حنین چپ سی ہوگئی۔ تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ چہرے پہ نرمی آئی۔

''اور جب زندگی سب کچھ چھیننے پہ آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟'' شاید پہلی دفعہ اس نے کوئی سوال پوچھا تھا۔

''دعا.....'' وہ ہلکا سا بولے۔

''دعا کیا کرتی ہے؟'' سلاخوں سے سر ٹکا کر وہ ان کو دیکھتے کہیں اور گم تھی۔

''آنے والی مصیبت کو روکتی ہے۔ اور جو مصیبت اتر چکی' اس کو ہلکا کرتی ہے۔ یہ مومن کا ہتھیار ہے' دین کا ستون ہے' آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

ان کی آواز قید خانے کی اونچی دیواروں سے ٹکرا کر ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

حنین گم صم سی کھڑی رہی۔ ہاتھ سلاخوں پہ جمے رہے۔ پھر ماتھے پہ بل آئے۔ اکیسویں صدی کے دماغ نے بحث کے لئے نکتے اچھالے۔

''آپ کی مصیبتیں ٹلتی ہوں گی دعاؤں سے۔ ہماری تو نہیں دور ہوتیں۔''

''دعا مصیبت سے کمزور ہے تو مصیبت حاوی ہو جائے گی۔ دعا مضبوط ہے تو دعا حاوی ہوگی۔''

''اور اگر دونوں ہی ایک جتنی مضبوط ہوں؟ تب؟'' وہ ترنت بولی۔

''تو دعا قیامت تک اس مصیبت سے لڑتی رہے گی۔''

''یعنی..'' وہ چونکی۔ ''اگر دعا چھوڑ دی' یا شدت کم کر دی تو مصیبت حاوی آجائے گی؟''

شیخ معلم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنین کے لب 'اوہ' میں سکڑے۔ ابرو اکٹھے کر کے سوچنے والے انداز میں وہ ان کو دیکھے گئی۔

''اور کیا کرتی ہے دعا؟''

''دعا قدر و قضا کو رد کر سکتی ہے' ویسے ہی جیسے نیکی عمر بڑھاتی ہے اور گناہ رزق سے محروم کرتے ہیں۔''

''مگر.....'' اس کی آنکھوں میں غیر آرام دہ سی الجھن ابھری۔ ایڑھیاں اٹھا کر وہ مزید اونچی ہوئی۔ ''میری تو دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔''

قدیم قید خانے کی کوئلے سے سجی دیوار سے ٹیک لگائے بزرگ نے سر جھکائے' مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

''ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے' اگر وہ جلد بازی نہ کرے تو۔''

''جلد بازی مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ تم کہنے لگو' کہ میں نے دعا کی اور بہت دعا کی' مگر میری دعا قبول ہوتی نہیں نظر آرہی۔ یہ کہنے کے بعد تم لوگ مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ دیتے ہو۔''

وہ جو ایک ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کترتی' سنتی جا رہی تھی۔ آخر میں بے اختیار انگلیاں لبوں سے نکالیں۔ ''یعنی کہ جب یہ کہا تو

دعا قبول نہیں ہوگی، لیکن اگر یہ نہ کہوں تب ہو جائے گی؟؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پیچھے ہوا کے جھونکے سے مشعل دان کا شعلہ پھڑ پھڑایا۔ رات کی پراسراریت میں اضافہ ہوا۔

''اچھا مگر....'' اس کو پھر سے بے چینی ہوئی۔ ''کچھ لوگوں کی دعا بہت جلدی قبول ہو جاتی ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ بہت نیک ہوتے ہیں؟''

''یہ بھی ہوتا ہے' مگر...'' وہ لحظے بھر کو رکے۔ حنہ نے ان کی آواز سننے کو مزید کان سلاخوں کے قریب کیا۔ ''مگر قبولیت دعا کا اصل راز دعا مانگنے والے کا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ کیسے مانگتا ہے' اور کتنی شدت سے مانگتا ہے۔''

''اور اس کے بعد دعائیں قبول ہو جاتی ہیں؟''

''ہاں' سب کی سب دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ حنین نے گہری سانس کھینچ کر ماتھا سلاخوں سے ٹکا دیا۔ آنکھیں موند لیں۔

''میں دعا مانگتی ہوں کہ بھائی مجھے' وہ امتحانی مرکز والا قصہ سننے کے بعد' معاف کر دے' اور مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سب کچھ ایک دم سے بالکل ٹھیک ہو جائے؟'' اس نے کتاب سے ماتھا اٹھایا تو صفحے کھلے پڑے تھے۔ قدیم زمانوں کی مشعلیں وقت کے پانیوں نے بجھا دی تھیں اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ کتاب بند کر کے اس نے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا' اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔

باہر راہداری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکلا تو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ گرے شرٹ پہ سفید سیاہ ترچھی دھاروں کی ٹائی بندھی تھی۔ بال اس نے فجر کے بعد جا کر کٹوا لئے تھے۔ اب سامنے سے جیل لگا کر پیچھے کیے تو سیدھے لگتے۔ اگر مڑتا تو پیچھے سے گھنگریالے نظر آتے۔

ندرت چائے لے کر راہداری میں آئیں تو وہ گول میز کے سرے پہ کرسی کھینچ رہا تھا۔

''آفس کے لئے دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟'' حیرت سے پوچھتے انہوں نے مگ اسے تھمایا۔

''نہیں' آفس نہیں جا رہا۔ کسی اور کام سے جا رہا ہوں۔'' وہ بنا عجلت کے آرام سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔ ندرت نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے سوٹ کو دیکھا۔

''یہ اپنا سب سے اچھا سوٹ تو تم آفس بھی نہیں پہن کر جاتے۔ آج کیا خاص ہے؟''

سعدی نے کپ ہٹا کر سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔ ''میں نابھا گ کر شادی کرنے جا رہا ہوں۔''

انہوں نے دھپ سے اس کے کندھے پہ تھپڑ لگایا' اور مصنوعی خفگی سے بڑبڑاتیں' پلٹ گئیں۔

وہ ناشتہ کر کے اٹھا اور ابھی راہداری کے سرے تک آیا ہی تھا کہ حنین کمرے سے باہر نکلی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے' مضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔

''تمہاری فجر کی اذان اس وقت ہوتی ہے؟''

''نہیں وہ....'' اس نے غور نہیں کیا۔ ''کیا ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں؟''

سعدی نے غور سے اسے دیکھا جو انگوٹھے سے درمیانی انگلی کا ناخن کھرچتے ہوئے بول رہی تھی۔

''تم کافی دن سے کہہ رہی ہو کہ تمہیں بات کرنی ہے' پھر رک جاتی ہو۔''

حنین کا گلا خشک ہونے لگا۔ کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' پھر بند کر دیے۔

''نہیں' آپ جائیں' اتنی خاص بات نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔'' ارادہ بدل دیا۔

''شیور؟'' سعدی نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ مسکرایا اور خدا حافظ کہتا پلٹ گیا۔ دروازہ بند ہوا تو وہ وہیں بے چین سی کھڑی سوچتی رہ گئی۔

❖❖❖

جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا، فیصلہ ہو گا ..... یہ کیا کم ہے کہ ہمارا اور اس کا سامنا ہو گا!

وہ عمارت سڑک کنارے پوری آب و تاب سے کھڑی تھی۔ بالائی منزل کے کارنر آفس میں خنکی پھیلی تھی۔ چوڑی میز کے پیچھے پاور چیئر پہ ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا، مسکراتے ہوئے کاغذات پلٹتا جا رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر سامنے کھڑے خاور کو دیکھا۔

''یہ بہت زبردست کام ہے خاور!'' ستائش سے فولڈر میز پہ ڈالتے' اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ کھڑکی کے پاس سینے پہ بازو لپیٹے عدی جواہرات نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''اس کے خلاف ذرا سا کچرا کافی ہے کیا؟ وہ معلوم نہیں ہمارے خلاف کتنی فائلز اور ثبوت لے کر آئے گا۔''

''میم' یقیناً اس نے بھی اب تک بہت کچھ نکال لیا ہوگا' مگر ہم اس کے ہر وار کا توڑ کرنا جانتے ہیں۔''

وہ ناک سکوڑ کر واپس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سیاہ لمبے گاؤن اور موتیوں کے آویزوں میں ملبوس' بھورے بال کندھے پہ آگے ڈالے' وہ ناخوش اور مضطرب لگ رہی تھی۔

''آپ کیوں فکر کرتی ہیں ممی؟ ہاشم سنبھال لے گا۔'' وہ مطمئن اور پرسکون تھا۔

اور ہاشم کی میز کے عین سامنے، دیوار سے لگے صوفوں میں سے ایک پہ براجمان نوشیرواں بالکل خاموش تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی کالی ہو رہی تھیں' اور وہ مسلسل کچھ سوچے جا رہا تھا۔۔۔

اس عمارت کی بیسمنٹ میں عین اسی وقت سعدی اپنی کار پارک کر رہا تھا۔ بیسمنٹ دوپہر کے باوجود اندھیر پڑی تھی۔ کار روک کر وہ کچھ دیر خاموشی سے اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ اسے وہ فلیش ڈرائیو یاد آئی جس میں موجود فائلز وہ کھول نہیں سکا تھا۔ اس کے پاس ہاشم کے خلاف کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک آخری پتے کے۔ اگر یہ وہ ٹھیک سے کھیل گیا تو.... تو سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر اس نے ڈیش بورڈ کھولا اور اپنا قرآن پین نکالا۔ چند بٹن دبائے اور وہیں سے تلاوت لگائی جہاں سے اس روز چھوڑی تھی۔

سعد الغامدی کی پرسوز آواز گاڑی کے اندر گونجنے لگی۔ ''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے!'' وہ خاموشی سے سننے لگا۔

''اور آپ سکھائے جاتے ہیں قرآن بڑے حکمت والے' بہت علم والے کی جانب سے۔''

سعدی کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں ابھی یہی سوچ رہا تھا اللہ تعالیٰ' کہ میں قرآن میں کیا تلاش کر رہا ہوں اس وقت جب کہ مجھے اوپر ہاشم بھائی کے آفس میں ہونا چاہیے؟ اور دیکھیں، مجھے جواب مل گیا۔ جب میں قرآن پہ غور کرتا ہوں تو گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ یہ قرآن مجھے اللہ کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ اللہ جو نور ہے اور ساری روشنی اللہ آپ سے ہی ملتی ہے۔ مجھے اب سمجھ آیا کہ جو انرجی مجھے چاہیے' جو کسی بھی موسیٰ کو فرعون کے دربار میں جانے کے لئے چاہیے ہوتی ہے' وہ صرف قرآن دے سکتا ہے۔'' ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ وہ زیرِ لب کہہ رہا تھا۔ قاری غامدی اگلی آیت اسی مدھم' خوبصورت آواز میں پڑھ رہے تھے۔ ''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ....''

وہ ایک دم چونکا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ (او کے اللہ' سیریئسلی مجھے بھول گیا تھا کہ آگے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ویسے اللہ' آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا کتنا پسند ہے۔ ہر چند آیتوں کے بعد پھر سے فرعون و موسیٰ اور موسیٰ و فرعون۔ مطلب کبھی کبھی میں حیران ہو جاتا ہوں۔ قرآن میں اتنا ذکر کسی کا نہیں جتنا موسیٰ کا! کیوں؟) اس نے بولا نہیں۔ صرف سوچا تھا۔ آیت ساعتوں میں گونج رہی تھی۔

''اور جب موسیٰ نے کہا اپنے گھر والوں سے
کہ میں نے دیکھی ہے ایک آگ۔
میں ابھی وہاں سے آپ کے لئے کوئی خبر لاتا ہوں
یا لے کر آتا ہوں کوئی سلگتا ہوا انگارہ'
تا کہ آپ اسے سینکیں۔''

ذرا دیر کو وقفہ آیا تو سعدی نے گہرا سانس لیا۔

''آہ موسیٰ۔'' اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہلکی آواز میں ساتھ ساتھ بڑبڑاتا رہا۔ ''تو اللہ تعالیٰ، آپ نے سورۃ نمل کی تمہیدی آیات کے بعد' پہلے قصے کا آغاز ہی موسیٰ علیہ السلام کی ''فیملی'' سے کیا۔ مجھے اسی لئے یہ سورۃ بہت اچھی لگتی ہے اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ فیملی ویلیوز کی سورۃ ہے۔ دیکھیں نا، موسیٰ علیہ السلام نے جو بات کہی' اس میں ''آپ'' کا صیغہ استعمال کیا۔ حالانکہ اس وقت ان کے ساتھ صرف ان کی اہلیہ تھیں' بے شک وہ امید سے تھیں' مگر سامنے تو صرف وہی تھیں نا ان کے۔ پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کو 'آپ' کہہ کر پکارا۔ جمع تعظیم کا صیغہ۔ ہمارے انبیاء' جو ہمارے باپ تھے' کتنے میز رز تھے نا ان میں۔ کتنے نرم' اور خوبصورت لوگ تھے وہ۔ کوئی حیرت نہیں مجھے کہ آپ اللہ تعالیٰ قرآن میں ہر چند صفحات بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں۔ کتنی پرواہ' کتنا خیال تھا ان کے انداز میں اپنے خاندان کے لئے۔ پھر ہم اپنے گھر والوں کے لیے اتنے نرم کیوں ہیں بن سکتے؟''

کار میں خاموشی چھا گئی۔ پھر وہی پرسوز آواز ابھرنے لگی۔

''پھر جب موسیٰ وہاں (اس آگ کے قریب) آئے،
تو ان کو آواز آئی کہ
بابرکت ہے وہ جو آگ میں ہے
اور جو اس کے آس پاس ہے۔
اور پاک ہے اللہ
جو دونوں جہانوں کا رب ہے۔''

سعدی نے پاز کے بٹن کو دبا کر، بند آنکھوں کے ساتھ چند لمحے لیے ان الفاظ کو اندر جذب کرنے کے لیے۔

''اللہ مجھے نہیں پتہ کہ آپ کی آواز سننا کیسا ہوگا، مگر مجھے اتنا پتہ ہے کہ جب میں قرآن سنتا ہوں، تو میرے لیے وہی آپ کی آواز ہوتی ہے، اور یہ الفاظ بعض دفعہ میری استطاعت سے زیادہ وزنی بن کر میرے دل پہ اترتے ہیں۔ میرے لیے یہ قرآن اور اس سے جڑی ہر شے بابرکت ہے، کیونکہ یہ قرآن مجھے بتاتا ہے کہ اللہ کون ہے۔'' وہ ٹھہرا۔ بند آنکھوں سے تکان بھرے الفاظ ادا کرتے آواز ہلکی ہو گئی۔

''اللہ میرا رب ہے، اور میرے ابو نے مجھے بتایا تھا کہ رب کسے کہتے ہیں۔ وہ جس نے ہمیں بنایا ہے، وہ جس کا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے، اور وہ جو ہمارے لیے سارے فیصلے کرتا ہے۔ خالق، مالک، مدبر!''

انگوٹھے کو اسی بٹن پہ رکھ کر دبایا تو آیات کا سلسلہ جڑا۔

''اے موسیٰ'
بے شک وہ میں ہوں' اللہ۔
غالب' حکمت والا۔
اور پھینک دو اپنی لاٹھی کو۔
تو جب اس (موسیٰ) نے دیکھا کہ وہ (لاٹھی) حرکت کرتی ہے
گویا کہ ہو کوئی سانپ
'تو پیٹھ پھیر کر بھاگا
اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔
(تو فرمایا اللہ نے) اے موسیٰ۔
ڈرو نہیں۔
بے شک میرے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔۔''

سعدی آنکھیں بند کیے' سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھا رہا۔ لبوں کی مسکراہٹ میں اداسیاں گھلتی گئیں۔ ''پیغمبر کون ہوتا ہے اللہ؟ وہ جو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ آپ سارے پیامبروں کے ساتھ ایسے ہی کرتے ہیں نا۔ ان کو اندھیرے میں روشنی کی جھلک دکھاتے ہیں' اور جب اس نور کا پیچھا کرتے وہ اس تک آ پہنچتے ہیں' تو آپ ان کو بتاتے ہیں کہ اللہ کون ہے۔ پھر آپ ان کو کہتے ہیں کہ اپنا عصا سامنے ڈال دو۔ یہاں تو آپ نے 'عصا' کا لفظ استعمال کیا مگر اپنے اسی قرآن میں ایک اور جگہ آپ نے موسیٰ سے یہ فرمایا کہ ''ڈال دو وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔'' تو بات یہ ہے اللہ' کہ سب کے دائیں ہاتھ میں عصا نہیں ہوتا۔ دائیں ہاتھ میں انسان کا ٹیلنٹ ہوتا ہے، کوئی ہنر۔ یا کوئی قیمتی چیز۔۔ تو اللہ جب آپ کا پیامبر اپنا عصا پھینک دیتا ہے تو اس کا نتیجہ ایک دم سے اتنا خوفناک' اتنا ڈراؤنا اور پر ہیبت ہوتا ہے کہ انسان مڑ کر بھاگے نہ تو کیا کرے؟ فرعون کے ساحر جو بھی گھڑ لائیں' میرے دائیں ہاتھ کی چیز اس کو نگل لے گی' میں جانتا ہوں' اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ کے پاس اس کے پیامبر ڈرا نہیں کرتے' نہ اپنے ماضی سے نہ اپنے مستقبل سے' مگر مجھے فرعونوں کے پاس ''ڈرنے'' سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا، گویا پھر سے ہلکا ہونے کے لیے۔ پین قرآن آف کر کے ڈیش بورڈ میں رکھا۔ کار بند کی۔ چابی' موبائل' والٹ سنبھالتا باہر نکل آیا۔

مطلوبہ فلور پہ جب لفٹ کے دروازے وا ہوئے تو سامنے واک تھرو گیٹ تھا۔ وہ اس سے گزرنے کی بجائے ایک طرف سے نکل کر آگے چلتا آیا۔ کسی نے نہیں روکا۔ جب ہاشم کے آفس کے سامنے آیا تو کام کرتی حلیمہ کے اس طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس خاور مستعد کھڑا تھا۔

''کاردار صاحب آپ کے منتظر ہیں۔'' سعدی اس بات پہ آگے بڑھنے لگا تو خاور نے ہاتھ راہ میں حائل کر کے اسے روکا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

''میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ چاہیں تو تلاشی لے لیں۔'' مسکرا کر وہ بولا۔ خاور نے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کے لباس کو تھپتھپایا۔ سیل فون نکال کر حلیمہ کی میز کی ٹوکری میں ڈالا۔ اور پھر مطمئن ہو کر پیچھے ہٹا۔ سعدی نے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ اوپری جیب میں لگا سلور پین درست کیا' اور آگے بڑھ گیا۔

وہ چاہتا تھا کہ کاسہ خرید لے میرا!
میں اس کے تاج کی قیمت لگا کے لوٹ آیا

اندر آفس میں ایک طرف صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ سامنے مرکزی میز کے پیچھے ہاشم ٹیک لگائے۔

براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ جواہرات جواب ہاشم کی کرسی کی پشت پہ کہنی ٹکائے کھڑی تھی، وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

''آؤ سعدی!'' ہاشم نرمی سے کہتے جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھایا۔ سعدی آگے آیا' ہاتھ ملا لیا اور پھر سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کیا لو گے؟ چائے؟ سافٹ ڈرنک؟'' انٹر کام اٹھائے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''کافی!'' وہ بس اتنا بولا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا اور ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ ''حلیمہ' دو چائے اندر بھیجو۔'' پھر ریسیور رکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں اسے ٹوکا۔ ''اتنی گرمی میں کافی نہیں پینی چاہیے تمہیں۔''

سعدی گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (اسے ہاشم سے اور کس بات کی توقع تھی؟) اور پھر جیب سے پلاسٹک زپ لاک بیگ میں مقید نیکلیس نکال کر میز پہ رکھا۔

''آپ کی امانت' جو غلطی سے آپ کی ملازمہ نے میری جیب میں ڈال دی تھی۔''

نیکلیس میز پہ پڑا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی اسے نہ دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''تم کیا کہنا چاہتے تھے سعدی؟'' ہاشم نے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھتے بات کا آغاز کیا۔ سعدی نے گردن موڑ کر پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے خاور کو دیکھا اور پھر ہاشم کے ساتھ کھڑی جواہرات کو۔

''خاور ہمارا اپنا بندہ ہے' اس کی موجودگی میں بات کرو۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''آئی سی!'' سعدی نے سر اثبات میں ہلایا البتہ اندر سے کچھ ٹوٹا تھا۔ (تو کیا جواہرات بھی.....؟) بہت کچھ سمجھ میں آیا۔ پھر ذرا سا کھنکارا اور ہاشم کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا۔

''ہم جس دین کے ماننے والے ہیں ہاشم بھائی' اس میں مختلف مسئلوں کے لئے مختلف اسکولز آف تھاٹ ہوتے ہیں۔ قتل کے مسئلے پہ بھی دو آراء ہیں۔ (ہاشم اسی طرح مسکرا کر اسے دیکھتا رہا) پہلے مسلک کا کہنا ہے کہ سچے دل سے توبہ کی جائے' یا دیت دی جائے تو قتل معاف ہو جایا کرتا ہے' وہ حدیث میں مروی اس واقعے کو دلیل بناتے ہیں جس میں بنی اسرائیل کے ایک عالم کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اس نے قتل کی معافی کا پوچھا اور منفی جواب ملنے پہ اس عالم کو بھی قتل کر دیا۔ ایک اور عالم کے پاس گیا تو معافی کی امید مل گئی۔ بہر حال واقعہ آپ کو معلوم ہو گا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ جواہرات اور ہاشم کی مسکراہٹوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ پیچھے بیٹھا نوشیرواں جو یہاں سے سعدی کی پشت دیکھ سکتا تھا' بے حد کڑوا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ حلیمہ اندر آئی اور چائے رکھ کر باہر چلی گئی تو وہ پھر سے کہنے لگا۔

''دوسرا مسلک کہتا ہے کہ نہیں' قتل کی کوئی معافی نہیں۔ اگر آپ کو قتل کی سزا یعنی سزائے موت دنیا میں نہیں دی گئی تو پھر دیت یا توبہ سے امید تو کی جا سکتی ہے کہ یہ آپ کو معاف کروا دیں گے مگر اصل فیصلہ قیامت کے دن ہو گا جب اللہ' مقتول کے ہاتھ میں قاتل کا سر دے کر کہے گا کہ اپنا بدلہ لے۔ یہ دوسرا مسلک کہتا ہے کہ قرآن میں جب اللہ کسی گناہ کا ذکر کرتا ہے' اور اس کے عذاب کا' تو آخر میں یہ فرما دیتا ہے کہ' وہ لوگ عذاب میں رہیں گے' سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور اچھے عمل کیے وغیرہ وغیرہ۔ مگر قتل کی آیات کے آخر میں' سخت' عذاب کی وعید سنانے کے بعد اللہ نے نہیں کہا' سوائے اس کے اور اس کے۔' نہیں۔ اللہ نے قاتلوں کے لئے' وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے' کہہ کر بات ختم کر دی۔ اب بہت سے مسلمان ایک عقیدہ رکھتے ہیں' اور بہت سے دوسرا۔ میں بھی اسی دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہوں جو کہتا ہے کہ قتل کی کوئی معافی نہیں۔ جان لی ہے تو جان دینی پڑے گی۔ کیونکہ ہر انسان اپنے بھائی کی جان کا رکھوالا ہوتا ہے۔ ایک قتل اس سے جڑے تمام انسانوں کا

قتل ہوتا ہے۔ایک قتل.....صرف ایک بے گناہ مسلمان کا قتل ہاشم بھائی کعبہ کو ڈھا دینے سے بڑا گناہ ہے۔اور آپ نے تو میرے خاندان کے دو لوگ مار دیے۔'' اس کی آواز بلند ہوئی اور قدرے کپکپائی۔آنکھوں میں دکھ اور صدمہ اترنے لگا۔

اتنے سال بعد پہلی دفعہ ہاشم کے منہ پہ وہ بول دیا جو ابھی تک دل میں چھپا کر رکھا تھا۔چند لمحے آفس میں خاموشی چھائی رہی۔اے سی کی ٹھنڈک' جہنم کی تپش میں بدلنے لگی۔پھر ہاشم نے اسی نرمی سے اسے دیکھتے پوچھا۔

''اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ یہ سب میں نے کیا ہے؟''

''صرف میرے دل کی گواہی۔اور کچھ نہیں۔''

ہاشم اور خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔(اب وہ کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا جہاں سے وہ سعدی کو سامنے سے دیکھ سکتا تھا)۔ جواہرات ہاشم کی کرسی پہ ٹکائی کہنی ہٹا کر سیدھی کھڑی ہوئی۔آنکھوں میں اچنبھا آیا۔

''تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں؟'' ہاشم کو حیرت ہوئی۔

''نہیں۔میں نے آپ کی فائلز چرائی تھیں اس رات پارٹی میں۔مگر میں انہیں کھول نہیں پایا۔وہ کرپٹ ہو گئیں۔وہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔''

(خاور کی گردن قدرے فخر سے مزید تنی۔)''میں نے ڈیڑھ سال کوشش کی کہ کوئی ثبوت ڈھونڈ لوں' مگر مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگوں نے بہت پکا کام کیا ہے۔'' قدرے تکان اور ستائش سے اس نے خاور کو دیکھا۔

''ڈیڑھ سال؟'' ہاشم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''آپ نے زرتاشہ اور وارث غازی کو قتل کروایا' میں ڈیڑھ سال سے جانتا ہوں۔آپ کے بھائی کی مہربانی سے....'' عقب میں بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا۔''میں نے ایک رات آپ کے گھر گزاری۔آپ کا سیف جو آپ کی تاریخِ پیدائش سے کھلتا ہے' اس میں وارث ماموں کی بچیوں کی تصویر تھی۔میں نے اسے ایک نظر دیکھا اور میں جان گیا کہ یہ سب آپ نے کروایا ہے۔''

شیرو کا چہرہ یوں ہو گیا گویا کسی ٹرک نے کچل دیا ہو۔ہاشم کی مسکراہٹ جاتی رہی۔اس نے بس ایک سخت ملامتی نظر نوشیرواں پہ ڈالی اور پھر سعدی کی جانب متوجہ ہوا۔

''اور اپنی اس تھیوری کے بارے میں تم نے اور کس کس کو بتایا ہے؟''

''کسی کو بھی نہیں' کیونکہ آپ تو ایک وائٹ کالر کرمنل ہیں' کوئی کیسے یقین کرے گا کہ آپ یہ سب کروا سکتے ہیں۔''

ہاشم ٹیک چھوڑ کر آگے کو ہو بیٹھا۔سوچتے' الجھتے انداز میں اسے دیکھا۔''اور تمہارے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟''

''نہیں' مگر مجھے کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔میں یہاں آپ کو پولیس کے حوالے کرنے نہیں آیا۔میں آپ کو اپنے خاندان کے حوالے کرنے آیا ہوں۔''

''مطلب؟'' جواہرات اچنبھے سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

'میں یہاں آپ کو یہ کہنے آیا ہوں ہاشم بھائی کہ آپ سچائی کا خود اعتراف کر لیں۔میرے خاندان کے سامنے جا کر اعترافِ جرم کر لیں۔یوں فارس غازی بری ہو جائے گا' ہر الزام سے۔آپ سارہ خالہ سے معافی مانگیں۔اور ان کے باپ کی دیت کی رقم ان کی بچیوں کو ادا کر دیں۔ہم آپ کے خلاف پولیس میں نہیں جائیں گے۔ہم آپ کو معاف کر دیں گے۔''

اور ہاشم کو پہلی دفعہ لگا' وہ سونیا کی پارٹی سے لے کر اب تک جو''سعدی' سعدی'' ڈرامے سے پریشان ہوا' وہ سب بے کار تھا۔یہ تو

ایک بے وقوف' گھامڑ اور معصوم سا بچہ تھا۔ بلکہ یہ تو پورے کا پورا گدھا تھا۔

اور یہ سوچ کر وہ زور سے ہنس دیا۔ جواہرات بھی قدرے سکون سے مسکرائی۔ ہنستے ہنستے ہاشم نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہٹایا۔

''مجھے یہ کہنے دو سعدی' کہ آج تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔ میں ایک سوٹ ایک ہی دفعہ پہنا کرتا ہوں' تم نے میرے اس سوٹ کا فرسٹ ویئر ضائع کر دیا۔''

''جی؟'' وہ الجھن بھرے انداز میں ہاشم کو دیکھنے لگا۔ ''کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے یہ قتل نہیں کیے؟ اوہ کم آن ہاشم بھائی' ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ آپ نے کیا ہے۔''

''میں نے انکار نہیں کیا!'' ہاشم نے تازہ دم مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ میں نے کیا ہے' وارث میرے راستے میں آ رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔ خاور نے اسے خودکشی کا رنگ دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ اس کا قتل کو راپ کرنے کے لئے ہمیں زرتاشہ کی قربانی بھی دینی پڑی۔ زمر کو بھی زخمی کرنا پڑا' جس کے لئے مجھے بہت افسوس ہے۔ ہاں ٹھیک ہے سعدی' یہ سب ہم نے ہی کیا ہے۔ ممی' خاور اور میں نے۔''

سعدی کی دکھ بھری نگاہیں ہاشم کی کرسی کے ساتھ کھڑی جواہرات تک گئیں۔ پھر وہاں سے کھڑکی کے آگے کھڑے خاور تک جا پھسلیں۔ تو یہ سب ساتھ تھے؟ شروع دن سے؟

''مگر تم سعدی' تم نے تو آج مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میرا خیال تھا' تم ثبوت کا کوئی انبار لے کر آؤ گے میرے پاس۔ مگر تم.... تم تو وہی معصوم بچے ہو جس سے میں سات سال پہلے ملا تھا۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو؟'' اب کے ہاشم کو افسوس ہونے لگا۔ آگے ہو کر' ہتھیلیاں باہم ملائے' وہ برہمی سے کہنے لگا۔ ''تمہیں کیا لگا تھا' یہ تم قتل کی لمبی سی تقریر یاد کر کے میرے سامنے دہراؤ گے اور میں فوراً جا کر تمہارے خاندان کے پیروں میں گر جاؤں گا اور ان کی منتیں کروں گا کہ وہ مجھے معاف کر دیں؟ مطلب' تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟'' غصے اور افسوس سے زیادہ حیرت شدید تھی۔

''تو کیا آپ اب بھی معافی نہیں مانگیں گے؟ کیا آپ اتنے گلٹ کے ساتھ رہ لیں گے؟'' سعدی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''تم اپنا دماغ کہاں چھوڑ کر آئے ہو سعدی؟ تمہیں واقعی لگا تھا کہ ہاشم تمہارے کہنے پہ یہ کر لے گا؟ اُف!'' جواہرات کو اس کی ہر بات ناگوار گزر رہی تھی۔

''اور آپ سارہ خالہ کو دیت بھی ادا نہیں کریں گے؟''

''تو بات آخر میں پیسے پہ آ گئی ہے؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہاشم نے ٹیک لگائی۔ ''میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا' کیا کر لو گے تم؟''

''میں....'' وہ شدید دکھ کے عالم میں باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے لگا۔ ''میں زمر اور فارس ماموں کو بتا دوں گا' مجھ پہ کریں گے سب یقین!'' مگر خاور کچھ غیر آرام دہ سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس غصے میں کچھ بناوٹ لگتی تھی یا شاید اس کا وہم تھا۔

''کم از کم زمر تو تمہارا یقین نہیں کرے گی۔'' جواہرات نے ناک سکوڑ کر کہا۔ ''اس کے دل میں فارس کی نفرت اتنی پختہ ہے کہ وہ اپنی زندگی فارس سے انتقام کے لئے داؤ پہ لگا چکی ہے' تو وہ کیسے مانے گی تمہاری بات؟''

''انہوں نے کسی انتقام کے لئے یہ شادی نہیں کی۔'' وہ ایک دم کھڑا ہوا۔ کان سرخ ہوئے آنکھوں میں غصہ اترا۔ ''وہ فارس غازی کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جس مقصد کے لئے آپ ان کی شادی پہ اتنا زور دے رہی تھیں' وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔''

''تمہیں اپنے خاندان کے بارے میں اپنی معلومات اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے سعدی!''

''میں زمر کو ساری حقیقت بتادوں گا۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' ہاشم کا انداز ٹھنڈا تھا۔

''کیوں؟ کیا مجھے بھی ماردیں گے آپ؟'' دکھ سے اس نے ہاشم کو دیکھا۔

''اونہوں۔'' ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔ ''میں بس یہ فائل دے دوں گا۔ اعلیٰ عدالتی اور پولیس حکام کو۔ پراسیکیوشن آفس کو۔ میڈیا کو۔'' ایک فائل اس کے سامنے ڈالی۔ سعدی نے مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''تمہارا اعمال نامہ۔ جو مجھے ڈھونڈنے میں دو دن لگے۔ تمہارے خیال میں مزید چیزیں ڈھونڈنے میں پولیس کو کتنا وقت لگے گا؟''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو میں ڈر جاؤں۔''

''کیا تم نے جج کو بلیک میل نہیں کیا؟ اس فائل میں تمہارے اور جسٹس سکندر کے درمیان تبادلہ کی گئی ای میلز اور ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے۔ جو ہمیں خود جسٹس صاحب نے مہیا کیا ہے۔ بے شک تمہارا نمبر پرائیویٹ ہے' اور ای میل ان جانا' لیکن جسٹس صاحب کا نمبر تو اصلی ہے۔ جیسے ہی میں نے یہ فائل پراسیکیوشن آفس بھجوائی' فارس غازی پھر سے گرفتار ہو جائے گا۔ اور اس دفعہ تم بھی ساتھ ہی جیل جاؤ گے۔ تمہارا خاندان تمہیں کھودے گا سعدی!''

سعدی نے گہری سانس لی۔ کرسی کھینچی۔ واپس ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔

''اور اگر میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں تو....؟''

اب کے ہاشم کھل کر مسکرایا۔ جواہرات نے بھی مطمئن سی سانس خارج کی۔ نوشیرواں ہنوز خاموش تھا' اور خاور.... وہ اب بھی غیر آرام دہ سا کھڑا تھا۔ کچھ تھا جو اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ کچھ غلط تھا۔

''میرا خیال ہے ہم ایک معاہدے کو پہنچ سکتے ہیں۔''

ہاشم نے کڑوی چائے کا کپ اٹھایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہاتھ میں پکڑے کہنے لگا۔

''پاکستان میں ایک انسان کی دیت کتنی ہے؟ یہی کوئی تیس اکتیس لاکھ روپے۔ میں تمہیں تیس کروڑ دوں گا۔ دیکھو یہ رشوت نہیں ہے' دیت ہے۔ تمہارا حق ہے کہ تم اپنے ماموں کی دیت لو۔ میں تمہیں خرید نہیں رہا۔ کفارہ ادا کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے' جو بھی میں نے کیا۔ وہ غلط تھا۔ آئی ایم سوری فار ڈیٹ!'' افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ ''لیکن میں بھی تو خوش نہیں ہوں اس کے بعد دیکھو میرا باپ بھی مر ہی گیا' بے شک قدرتی موت تھی' مگر میں نے کسی کو کھونے کا غم اٹھایا۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری) میری شادی ٹوٹ گئی۔ میری بچی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی۔ مجھے دوبارہ گھر بنانے کی تمنا ہی نہیں رہی۔ اب میں صرف کام پہ دھیان دیتا ہوں۔ میں نے بھی بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میں اپنی سزا کاٹ رہا ہوں۔ اب تم مجھے مزید کیا سزا دینا چاہتے ہو؟ دیکھو' بچے' اگر تم آنکھ کے بدلے آنکھ مانگو گے' تو ساری دنیا اندھی ہو جائے گی۔ تم معاف کرنا سیکھو' درگزر کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ تیس کروڑ لو' اپنی فیملی کو باہر سیٹل کرو' میں تمہیں امریکہ میں کسی بہترین کمپنی میں جاب دلوا دوں گا' میرا وعدہ ہے! یا چاہو تو ہم مل کر نوشیرواں کی کمپنی چلا سکتے ہیں۔ تم پچاس فیصد کے پارٹنر ہو گے۔ جو تم تھرکول میں کر رہے ہو' وہی پرائیوٹ سیکٹر میں کرو۔ تم سائنسدان لوگ سرکاری اداروں میں صرف ضائع ہو جاتے ہو۔ میرے پاس آؤ' میرے ساتھ کام کرو۔'' بہت سکون' نرمی اور امید سے ہاشم نے کہا۔ سعدی ہلکی مسکراہٹ سے اسے دیکھے گیا۔

''تیس کروڑ دیں گے آپ مجھے؟ میرے خاندان کے ایک مرد کے بدلے میں؟''

''ہوں۔'' ہاشم نے سر اثبات میں ہلایا۔ سعدی آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں آپ کو ساٹھ کروڑ دوں گا' مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے اس آدھے مرد جتنے بھائی کا گلا گھونٹ کر اسے پنکھے سے لٹکا دوں اور کہوں کہ یہ خودکشی ہے۔ منظور ہے؟''

کمرے کا درجہ حرارت بدل گیا۔ نوشیرواں کے بدن میں شرارے دوڑے' وہ بھڑک کر کھڑا ہوا (آدھا مرد؟) کہ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود سعدی کی طرف دیکھا تو چہرے پہ بے پناہ سختی تھی۔

''میرے بھائی سے تمہارا خاندان مقابلہ نہیں کر سکتا' اس لئے کوشش بھی مت کرو۔'' برہمی سے چبا چبا کر وہ بولا۔

ساتھ کھڑی جواہرات بھی آنکھوں میں تپش لئے سعدی کو گھور رہی تھی۔ ''تم اپنی بات کرو۔ کیا لوگے اپنا منہ بند رکھنے کے لئے۔''

''منہ بند نہیں رکھوں گا۔ آج ہی جا کر سب کو سچائی بتا دوں گا۔ جرم کیا ہے تو بھگتنا پڑے گا ہاشم بھائی!'' وہ بھی اتنی ہی سختی سے بولا تھا۔

ہاشم تاسف سے اسے دیکھے گیا۔

''کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہمیشہ میں نے فیملی کی طرح ٹریٹ کیا؟ کیا تم وہی نہیں ہو جو خود بھی ایک جج کو بلیک میل کرنے کا جرم کر چکے ہو؟''

سعدی ایک دم ہنس دیا۔ ہاشم بھی تلخی سے مسکرایا۔

''اس میں مزاحیہ کیا بات تھی؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے مسکراہٹ دباتے سر جھٹکا۔ ''ایک کتاب میں فجر میں روز پڑھتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں اس میں پرانی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے مگر میں آپ کو بتاؤں، اس کی پرانی کہانیوں میں بہت کچھ ہے۔ اسی میں ایک کہانی میں ایک چرواہے کی بھی ہے' کسی زمانے میں اس چرواہے کو ایک بادشاہ نے ایڈاپٹ کیا تھا' مگر جب برسوں بعد خدا نے اس کو اسی محل کے دربار میں کلمہ حق کہنے بھیجا' تو بادشاہ وقت نے کہا۔ آپ وہی نہیں ہیں موسیٰ' جو ایک قتل کر کے یہاں سے بھاگ گئے تھے؟ تو مجھے صرف قدرت کی حس مزاح پہ ہنسی آئی۔''

''یہ بہت دلچسپ لیجینڈ ہے مگر میرے پاس وقت کم ہے۔'' اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بات کاٹی۔ ''تمہیں میرے پیسے رکھ لینے چاہیے تھے مگر تم نے نہیں رکھے۔ تمہاری مرضی۔ اب سنو۔ اگر....'' سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی سنگینی در آئی۔ ''اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا' تو میں تمہاری فائل آگے کر دوں گا۔ پوری دنیا جان جائے گی کہ تم اور فارس فراڈ ہو' اور یہ کہ تمہاری بہن نے کس طرح بورڈ ایگزام میں چیٹنگ کی ہے۔ تم تینوں رات تک تھانے میں بند ہو گے۔''

اور سعدی یوسف کو لگا' ساری کائنات تھم گئی ہے۔ یہ ناممکن... ناممکن... ناممکن تھا کہ ہاشم یہ بات جانتا ہو۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''میری بہن کے بارے میں بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی محنت سے بورڈ ٹاپ کرتی رہی ہے۔'' غصے سے وہ غرایا تھا۔

''ہمیشہ کا تو نہیں پتہ مگر دو ہفتے پہلے اپنے آخری پیپر میں جب وہ چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور اس نے مجھے وہاں بلایا تھا تو....'' ہاشم سرسری انداز میں کہتے اس کے تاثرات دیکھ کر رکا' چہرے پہ ایک دم حیرانی لے آیا۔ ''اوہ... اس نے تمہیں نہیں بتایا؟''

سعدی کی آنکھیں غصے اور اچنبھے سے سکڑیں۔ ''کیا کہانیاں سنا رہے ہیں آپ مجھے؟''

''سعدی!'' جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا۔ ''تمہاری بہن دو ہفتے قبل' سونی کی پارٹی کی صبح اپنے پیپر کے دوران چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی' اور اس نے ہاشم کو مدد کے لئے بلایا تھا۔ تمہیں تو ہاشم کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔''

سعدی کا غصہ بے یقینی میں بدلتا گیا۔ اس نے باری باری ان سب کے چہرے دیکھے۔ ''مجھے آپ کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔''

ہاشم نے جواب دینے کی بجائے ایک نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور موبائل کو ہاتھ میں گھماتے' سعدی کو مسکرا کر دیکھتے دوسری جانب

ہاشم گھنٹی سننے لگا۔

''جی السلام وعلیکم کاردار صاحب۔'' فون جلد ہی اٹھالیا گیا۔

''وعلیکم السلام خواجہ صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔'' وہ کہہ فون پہ رہا تھا اور دیکھ سعدی کو رہا تھا۔ سعدی خاموش تھا' چبھتی' مشتبہ نگاہیں ہاشم پہ ہی تھیں۔

''اللہ کا کرم ہے۔ آپ سنایئے؟''

''میں نے اس بچی کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ یاد ہے آپ کو' آپ کے کالج میں بی اے کے ایگزام میں جو بچی چیٹنگ کرتی پکڑی گئی تھی' اور اس نے مجھے بلوایا تھا۔''

''جی' جی' اسپریڈنٹ صاحبہ نے مجھے بعد میں تمام صورتحال بتادی تھی۔ حنین یوسف نام تھا اس کا' اور رول نمبر تھا' 13051۔ آپ نہ ہوتے تو جناب اس کے پیپر پہ سرخ کانٹا لگنا ہی تھا۔''

سعدی کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کے قدموں سے آہستہ آہستہ جان نکل رہی تھی۔ قطرہ بہ قطرہ۔

''یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے جی۔'' ہاشم نے اس کا چہرہ دیکھتے تشکر سے سر کو خم دیا۔ ''ویسے اب بھی اگر آپ اس کی رپورٹ کردیں' تو اسپریڈنٹ کی گواہی کافی ہوگی اس کا رزلٹ کینسل کروانے کے لئے؟''

''جی بالکل سر۔ جب اسے اس طرح بچا سکتے ہیں تو رپورٹ بھی کر سکتے ہیں۔ کیا رپورٹ کرنی ہے اسکی؟'' وہ رازداری سے بولے۔ ہاشم مسکرایا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے بہت ہینڈسم لگتا تھا۔

''نہیں' ابھی نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو بتاؤں گا۔''

''اوکے' جی۔ اچھا کاردار صاحب' الیف ٹین میں میرا جو پلاٹ....''

''کل ڈنر پہ آیئے گا' وہیں بات کریں گے۔'' سلسلہ منقطع کر کے اس نے موبائل میز پہ ڈالا۔

''بیٹھ جاؤ سعدی۔ اور ٹھنڈا پانی پیو۔'' مسکرا کر نرمی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ مگر وہ کھڑا رہا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی' اور آنکھوں میں سرخی ابھر رہی تھی۔

''کیا اب یقین آیا کہ تمہاری بہن تم سے زیادہ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہے؟''

سعدی کی کنپٹی کی رگیں ابھرنے لگیں۔ سفید رنگت سرخ پڑنے لگی۔ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وہ غرایا۔

''اس جعلی کال سے مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ میری بہن ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ صرف مجھ پہ دباؤ ڈالنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں' یہ آپ کی بھول ہے کہ اس طرح آپ ہمارے خاندان کو توڑ سکتے ہیں۔'' اس کے اندر جو طوفان برپا تھے' ان کو جن دقتوں سے چھپا کر اس نے بظاہر گردن کڑا کر کہا' صرف اس کا دل جانتا تھا۔ قدموں میں لرزش تھی' دل ڈوب رہا تھا' مگر وہ سعدی تھا' اسے ابھی نہیں ٹوٹنا تھا۔ بس چند منٹ اور....

''تو جاؤ اپنی بہن سے پوچھ لو۔'' ہاشم نے بس افسوس سے اتنا کہا گو کہ وہ خود بھی اس کے اتنے یقین پہ تلملا رہا تھا۔ سعدی غصے سے اسے دیکھتا' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' آگے جھکا۔

''میرے.... خاندان.... سے.... دور رہیں، ہاشم بھائی!'' خون رنگ ہوتی آنکھوں سے وہ بلند آواز میں غرایا تھا۔ ''ورنہ میں وہ کروں گا آپ کے ساتھ کہ آپ کی نسلیں یاد رکھیں گی' اگر آپ کی نسلیں بچ پائیں' تو!''

پیچھے کاؤچ پہ بیٹھے نوشیرواں کے کان سرخ پڑے۔ صوفے کی گدی کو مٹھی میں زور سے بھینچا' گویا ضبط کیا۔ دوسرا ہاتھ بار بار جیب

کی طرف جاتا۔ خاور کی نگاہ بھی بار بار اس کے جیب کی طرف جاتے ہاتھ تک اٹھ جاتی۔

ہاشم ابھی تک ٹیک لگائے' پرسکون بیٹھا تھا۔ اس دھمکی پہ زخمی سا مسکرایا۔ ''اتنا بغض ہے تمہارے دل میں میرے لئے' تو ابھی تک مجھے ہاشم بھائی کیوں کہتے ہو؟''

سعدی نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر الفاظ ختم ہو گئے۔ اس سوال کا جواب خود اس کے پاس بھی نہیں تھا۔

''آپ کا لحاظ کر جاتا ہوں' آج کے بعد نہیں کروں گا۔ دوبارہ میری بہن کا نام مت لینا۔ ہاشم کاردار!'' انگلی اٹھا کر' سختی سے اسے دیکھتے تنبیہہ کی اور اس سارے میں پہلی دفعہ ہاشم کے چہرے پہ شدید تکلیف ابھری۔ کہیں کچھ چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔ کبھی نہ جڑنے کے لئے۔

جواہرات نے وہ تکلیف دیکھ لی تھی' فوراً ٹوپک کرا سے مخاطب کیا۔

''تو پھر جاؤ' اور اپنے خاندان کی فکر کرو' ہماری نہیں۔''

سعدی نے تنفر سے سر جھٹکا۔

''موتو بغیظکم!'' قرآن کے دو الفاظ بلند آواز میں پڑھے (مر جاؤ اپنے غصے میں تم لوگ!)' کرسی کو پیر سے ٹھوکر ماری' اور سرخ آنکھوں سے ان دونوں کو گھورتے مڑ گیا۔ ہاشم نے اسی تاسف سے اسے باہر جاتے دیکھا۔

دروازہ بند ہوا تو وہ تعجب اور افسوس سے بولا۔ ''یہ اتنا بے وقوف ہو گا میں نے نہیں سوچا تھا۔'' نوشیرواں سعدی کے پیچھے گیا تھا' خاور بھی احتیاطاً جانے لگا' مگر ہاشم کی بات نے اسے روک دیا۔

''میرا نہیں خیال سر! کہ وہ بے وقوف ہے۔ جب اسے آڈیو ملی' میں نے کہا تھا' یہ لڑکا گڑبڑ ہے۔ مگر آپ نے تب بھی اسے انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا' اب پھر آپ وہی کر رہے ہیں۔''

''بس کرو یار۔'' ہاشم نے بے زاری سے لیپ ٹاپ کھول کر سامنے کیا۔ ''وہ ایک معصوم بچہ ہے' مجھ سے جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ دیکھا نہیں کیسے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔'' ناک سے مکھی اڑاتے وہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ خاور نے بے چینی سے پہلو بدلا' مگر وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہے۔

''مجھے نہیں لگتا وہ سچ بول رہا تھا سر۔ مجھے لگتا ہے وہ اداکاری کر رہا تھا۔ وہ کسی اور چکر میں تھا۔'' وہ خود بھی متذبذب تھا۔ جواہرات نے اکتا کر اس کو دیکھتے ناک سے مکھی اڑائی۔

''بہت ہو گیا سعدی نامہ اب بس کر دو۔'' اور ہاشم کے سامنے کرسی پہ آ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ گردن کی مالا کے موتیوں پہ انگلی پھیرتے سوچتے ہوئے ہاشم کو مخاطب کیا۔ ''کیا وہ کسی کو بتائے گا؟''

''بتانا ہوتا تو اب تک بتا چکا ہوتا۔ اسے پتہ ہے کوئی اس کا یقین نہیں کرے گا۔ ابھی غصے میں گیا ہے' ٹھنڈا ہو گا تو میں بات کروں گا اس سے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ خاور' یہ رپورٹ میں نے تمہیں کہا تھا کہ....'' ہاشم نے اسکرین پہ کچھ دیکھتے خاور کو اشارہ کیا تو وہ جو گاہے بگاہے بند دروازے کو بے چینی سے دیکھ رہا تھا' بادل نخواستہ اس کے قریب آ گیا۔ جواہرات موبائل نکال کر میلز چیک کرنے لگی۔ وہ تینوں اس تماشے سے ساؤنڈ پروف دروازوں کے باعث بے خبر رہے جو باہر ہو رہا تھا اور جس کا خاور کو ڈر تھا۔

تم کو اپنی شکست دکھتی ہے؟

یا مرے حوصلے سے خائف ہو؟

سعدی جب آفس سے نکلا تو اس کا چہرہ زرد تھا' اور آنکھیں گلابی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اس نے ہاشم کے آفس کے باہر ہال پار کیا جس میں صرف حلیمہ سیکرٹری کا ڈیسک تھا۔ آگے لمبی راہداری تھی جس کے آگے لفٹ تھی۔ جگہ ایسی تھی کہ ہاشم کے آفس میں کون آ رہا ہے

لان جا رہا ہے، اس کا علم حلیمہ یا چند گارڈز کے علاوہ اس فلور پہ کسی اور کو نہیں ہوتا تھا۔

اور ابھی ہاشم کے آفس سے نکلنے والے لڑکے کا چہرہ ایسا بے رنگ ہو رہا تھا کہ وہ بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اور پھر نگاہوں کا زاویہ ۱۸۰ سعدی کے عقب میں نوشیرواں لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آیا۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ لیے اس کا انداز جارحانہ تھا۔ سعدی کے ساتھ سے گزر کر ۱۸۰ سامنے آ کھڑا ہوا۔ سعدی رکا' گلابی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یہ میرے بارے میں کیا بکواس کر رہے تھے تم؟'' نوشیرواں نتھنے پھلائے' غصے سے پھنکارا۔ ''اس وقت تو میں خاموش رہا ایونلہ....''

''کیونکہ نوشیرواں' جب دو مرد آپس میں بات کر رہے ہوں تو تمہیں چاہیے کہ تم خاموش ہی رہو۔'' سعدی سرخ پڑتی آنکھوں سے' ماند آواز میں ایسے چبا چبا کر بولا کہ نوشیرواں کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ منہ یوں ہو گیا جیسے طمانچہ مارا گیا ہو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا' قلبیوں سے اسے نظر آیا۔ ہاشم کی سیکرٹری نے ہنسی چھپانے کو چہرہ جھکایا تھا۔ نوشیرواں نے لال بھبھوکا چہرہ اس طرف پھیرا۔ (کیا یہ ہنسی روک رہی ہے؟ کیا یہ مجھ پہ ہنسی ہے؟) وہ ایک دم جارحانہ انداز میں اس ڈیسک تک آیا۔

''کیا فنی لگ رہا ہے تمہیں؟ ہاں؟'' زور سے زمین پہ رکھے سسٹم یونٹ کو ٹھوکر ماری۔ بھاری یونٹ ایک طرف کو لڑھکا۔ حلیمہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہکا بکا سی وہ اٹھی۔

''سر.... آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''بکواس کرتی ہو میرے آگے۔'' نوشیرواں نے برہمی سے بازو مار کر میز کی چیزیں گرا دیں۔

''میرا غصہ ایک کمزور لڑکی پہ نکال رہے ہو؟ مرد بنو نوشیرواں۔ مرد بنو!'' اور بس ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈال کر، اپنا فون اٹھا کر، آگے بڑھ گیا۔

شیرو تلملا کر واپس گھوما تو دیکھا حلیمہ اس طرح پریشان کھڑی تھی۔ چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ سعدی پہ دبا سا راغصہ اور عود کر آیا۔

''کھڑی شکل کیا دیکھ رہی ہو میری؟'' وہ آگے بڑھا۔ زور سے اس کی کمپیوٹر اسکرین کو دھکا دیا۔ وہ الٹ کر دوسرے طرف جا گری۔ حلیمہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ ہراساں نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔ جس کے نقش غصے سے بگڑ رہے تھے۔ اسے لگا وہ ابھی کے ابھی اسے نوکری سے نکل جانے کا کہے گا مگر نوشیرواں کے ذہن پہ اس وقت دوسری چیزیں سوار تھیں۔ سعدی کی لفٹ جا چکی تھی۔ شیرو دوسری لفٹ کی طرف لپکا۔

❖❖❖

جرم کی نوعیت میں کچھ تفاوت ہو تو ہو ..... درحقیقت پارسا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

کچہری کی راہداری میں انسانوں کا جمِ غفیر تھا۔ کوئی آ رہا تھا' کوئی جا رہا تھا۔ ایسے میں احمر رستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اپنے لاپرواہ حلیے کے برعکس' آج وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا' کف بھی بند تھے' اور بال بھی پیچھے سیٹ کر رکھے تھے۔

بالآخر وہ رکا۔ ایک ادھ کھلے دروازے کے اندر وہ بیٹھی دکھائی دی۔ میز کے اس پار کرسی پہ براجمان' سر جھکائے' فائل پہ روانی سے قلم چلاتی۔ گھنگریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے' اور ایک لٹ جھک کر فائل کو چھو رہی تھی۔

احمر فوراً سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ چند لمحے کے لئے سوچتا رہا۔

(یہ میری طرف سے غازی کی شادی کا تحفہ ہے۔ مگر.....) وہ رکا۔ (جب میں چڑیل کی غلط فہمی دور کروں گا اور اسے حقیقت بتاؤں گا کہ وہ میری غلطی تھی' ورنہ غازی نے اسے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی' تو وہ کیا کرے گی؟ ہوں... سوچنے دو۔

دیوار سے ٹیک لگائے' اس نے آنکھیں بند کیں' اور تصور کرنا چاہا۔

وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے' زمر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھتی ہے' چونکتی ہے۔ ''احمر شفیع؟'' ابرو اٹھاتی ہے' پھر اندر آنے کے لئے سر کو خم دیتی ہے۔ وہ جھجکتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ تذبذب سے سلام کر کے کہتا ہے۔

''آپ کو شادی کی مبارک ہو۔ میں پہلے اس لئے نہیں آیا کہ آپ کا غازی سے کوئی رشتہ نہیں تھا' مگر اب رشتہ ہے' سو مجھے آپ کی یہ غلط فہمی دور....''

اور وہ بات کاٹ کر کہتی ہے۔ ''تمہید کاٹیں' اور کام کی بات پہ آئیں۔'' وہ گہری سانس بھر کر رہ جاتا ہے' پھر جلدی جلدی بتانے لگتا ہے۔

''اس دن غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا۔ جعلی مخبری کرنے۔ وہ آپ کو استعمال نہیں کر رہا تھا' یہ میری غلطی تھی۔''

وہ ایک دم حیرت زدہ رہ جاتی ہے' مضطرب سی کھڑی ہوتی ہے۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''جی میم....'' اور وہ مزید تفصیل بتانے لگتا ہے۔ وہ جیسے جیسے سنتی جاتی ہے' اس کا رنگ زرد پڑتا جاتا ہے' یہاں تک کہ آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

''یعنی کہ اس نے کچھ نہیں کیا' اور میں ایسے ہی اتنے سال اس کو موردِ الزام ٹھہراتی رہی۔ اوہ میرے اللہ!'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھ جاتی ہے۔ ''کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟ میں نے اس کو اتنا غلط سمجھا۔''

''اونہوں!'' احمر نے برا سا منہ بنا کر آنکھیں کھولیں۔ تصور غائب ہوا۔ راہداری میں لوگوں کا شور سماعتوں میں گونجنے لگا۔ اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔ ''یہ چڑیل اتنی ایموشنل اس نے پھر سے آنکھیں بند کر کے سوچنا چاہا۔ تصور کا پردہ روشن ہوا۔

وہ زمر کے سامنے کھڑا ہے اور اسے بتا رہا ہے۔

''وہ میری غلطی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا۔''

وہ ایک دم غصے سے کھڑی ہوتی ہے۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے' میں تمہاری بکواس پہ یقین کر لوں گی؟ یہ کہانی کسی اور کو جا کر سناؤ۔ میں جانتی ہوں کہ اس روز اسی نے تمہیں میرے پاس مخبری کرنے کے لئے بھیجا تھا۔'' غصے سے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ کہتی ہے۔

''اُف!'' احمر نے تلملا کر آنکھیں کھولیں۔ بے بسی سے چوکھٹ تک گردن نکال کر جھانکا۔ جہاں وہ پرسکون سی' سر جھکائے فائل پہ لکھتی جا رہی تھی۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ جی کڑا کر اوٹ سے نکلا' اور دروازے کو انگلی سے بجایا۔

لکھتے لکھتے زمر نے سر اٹھایا' اسے دیکھ کر وہ چونکی۔ ''احمر شفیع؟'' ابرو اٹھا کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر قلم بند کر کے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی۔ سر کے خم سے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ متذبذب سا اندر داخل ہوا اور سلام کیا۔ تھوک نگل کر خشک گلا تر کیا۔ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''میں آپ کو شادی کی مبارک دینے آیا تھا' اور ساتھ میں' ایک پرانی غلط فہمی بھی دور کرنا تھی۔''

وہ خاموشی مگر نرمی سے اس کو دیکھتی رہی۔

''وہ جعلی مخبری جو میں نے کی تھی' وہ مجھے آپ کے پاس جا کر نہیں کرنی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا' وہ نہیں تھے تو میں نے آپ کو بتا دیا' یہ میری غلطی تھی۔ اس کو تو پتہ بھی نہیں تھا کہ میں اس طرح کر دوں گا۔'' (سانس روکے) احمر نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی، پھر اسی پرسکون اور نرم انداز میں بولی۔ ''مجھے پتہ ہے۔''

احمر کے سارے تصورات بھک سے اڑ گئے۔ ''جی؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ ''آپ کو کیسے پتہ؟''

''مجھ سے ہی تو آپ نے پوچھا تھا بصیرت صاحب کا۔ وہ نہیں تھے' تو آپ نے مجھے بتا دیا' میں سمجھ گئی تھی۔''

احمر تیزی سے دو قدم آگے آیا۔ ''مطلب کہ.... آپ جانتی ہیں سب۔ تو پھر آپ غازی سے خفا کیوں ہیں؟''

''کیونکہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی۔'' ہلکے سے کندھے اچکا کر وہ اسی سکون سے بولی۔ احمر الجھن سے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''مگر... ابھی آپ نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ میری غلطی تھی۔ تو....؟''

زمر چند ثانیے اسے دیکھتی رہی' پھر گہری سانس لے کر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھئے احمر۔''

(اتنی عزت؟) کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سوچتا' مگر ابھی وہ فوراً سے کرسی سنبھال کر بیٹھا۔ آگے کو ہوئے، بے چینی سے اسے دیکھا۔

''آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ ہماری شادی کے بارے میں ''بہت کچھ'' جانتے ہیں۔ میں اپنے ذاتی معاملات یوں ڈسکس نہیں کرتی مگر چونکہ موضوع آپ نے چھیڑا ہے اور اس سے آپ کا تعلق بھی ہے' اس لئے.... مجھے بتائیے۔ اس روز کیا تاریخ تھی جب آپ میرے پاس جعلی مخبری لے کر آئے تھے؟''

''آ.... پتہ نہیں۔'' وہ گڑبڑایا۔

''اس روز سولہ تاریخ تھی۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ اس کے بعد فارس سے ملنے میں کس دن جیل آئی تھی؟''

''یقین کیجئے' جیل میں مجھے کیلنڈر نہیں دیا گیا تھا' گو کہ یہ میرے پرزن رائیٹس کے خلاف تھا' مگر.....''

''اکیس۔ میں اکیس تاریخ کو دوبارہ جیل آئی تھی اور میں نے فارس کو بہت سنائی تھیں۔ یعنی چار دن بعد۔ ٹھیک؟''

''جی۔ ٹھیک!'' وہ توجہ سے سن رہا تھا۔

''آپ نے کس دن فارس کو بتایا کہ یہ مخبری آپ نے میرے سامنے کی ہے؟''

''اسی دن سولہ تاریخ کو۔ جاتے ساتھ ہی بتا دیا۔ بہت غصہ ہوا مجھ پہ۔ اس نے کہا کہ وہ آپ کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور....'' ہوش سے بولتے بولتے وہ رکا۔

زمر اداسی سے مسکرائی۔ ''اور پھر فارس نے کیا کیا' احمر؟''

اور احمر کو لگا' اس کے منہ پہ چابک دے مارا گیا ہو۔ وہ ہونقوں کی طرح زمر کی شکل دیکھنے لگا۔ (''پھر؟'' اس نے غائب دماغی سے دہرایا۔)

''آپ مجھے یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ بے قصور ہے کیونکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ وہ قصوروار ہے کیونکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔''

احمر بس شل سا اسے دیکھے گیا۔ کیا وہ فارس کی حمایت میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے سامنے کی بات نظر نہیں آئی؟

''سولہ تاریخ کو آپ نے اسے بتایا کہ آپ نے مجھے استعمال کیا ہے' مجھے اندازہ تھا یہ بات آپ اسے جاتے ساتھ ہی بتائیں گے۔ پھر آگے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ کیا ہوا۔'' وہ تحمل سے کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ پہ خفا ہوا' غصہ ہوا۔ اور پھر.... وہ چپ ہو گیا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اسے چار دن دیے۔'' انگوٹھا بند کر کے چار انگلیاں دکھائیں۔ ''چار دن تاکہ وہ اپنی غلطی کو درست کر لے۔ مجھے یقین تھا یہ صرف ایک غلطی ہے۔ اٹھارہ تاریخ کو اسے جوڈیشل ریمانڈ کی

توسیع کے لئے عدالت لایا گیا۔ کاریڈور میں میں نے اسے گزرتے ہوئے دیکھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اس نے مجھے وہاں روک کر کہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ مگر اٹھارہ تاریخ کو وہ مجھے دیکھ کر خاموشی سے گزر گیا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ ایک دفعہ وہ کہہ دے' یہ احمر کی غلطی تھی' ہم آپ کو استعمال نہیں کر سکتے' مگر اس نے پلان جاری رکھا۔ اس.... نے.... پلان.... جاری.... رکھا.... احمر!''

احمر بالکل لاجواب سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہ وقت تھا جب میں نے ڈھائی سال تک اس کی بات نہیں سنی' کیونکہ مجھے ڈر تھا' میں اسے معاف کر دوں گی' اور جب وہ میرے سامنے آیا تو میں نے شاید اسے معاف کر بھی دیا تھا' میں اس کے کیس کی خود تحقیق کرنے جا رہی تھی' میں سب کچھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی' میرا دماغ کہتا تھا' وہ اتنے گواہ جنہوں نے اسے گن لے کر ہوٹل کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے' جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے ہوسٹل کے کمرے سے رات کو نکلتے دیکھا ہے' وہ سب سچ کہہ رہے ہیں؟ مگر دل کہتا تھا' میں اسے ایک چانس اور دوں۔ اور میں نے دیا۔ احمر صاحب' میں نے اس کو چار دن دیے کہ وہ اپنی غلطی درست کر لے۔ ٹھیک ہے اسے نہیں پتہ تھا' مگر جب پتہ چل گیا تب کیا کیا اس نے؟ کیا مجھے بتایا کہ ہم riots نہیں جیل توڑنے جا رہے ہیں؟ کیا سوچا کہ فرار کے بعد میرا کیا بنے گا؟ میں ایک عورت ہوں۔ ایک عورت کے ساتھ یہ پوری کچہری کیا کرے گی؟ اس کو معلوم تھا سب' مگر اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس دن میں نے ہمیشہ کے لئے فارس پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب مجھے اس پہ اعتبار ہی نہیں رہا۔ پھر بھی جب میں اس کے پاس گئی تو اس سے کہا کہ تم نے اپنے سائیڈ کک (احمر کے ابرو بھینچے) کو میرے پاس بھیجا' تو یہ کہتے ہوئے بھی میری خواہش تھی کہ وہ کہہ دے.... مجھے تو نہیں پتہ' میں نے تو کچھ اور کہا تھا' مگر اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔ یعنی وہ جانتا تھا کہ آپ مجھے کہہ آئے ہیں' اور اس نے کچھ نہیں کیا۔ معافی بھی نہیں مانگی۔ احمر کیا اسے مانگنی نہیں چاہیے تھی؟''

احمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ ''اس نے شاید اس لئے....'' وہ ٹھہر گیا۔ ساری دلیلیں ختم ہو گئیں۔ بے بسی سے اس نے زمر کو دیکھا۔ ''یہاں اس کا قصور ہے، مگر اس نے وہ قتل نہیں کیے۔'' وہ نگاہیں زمر کے چہرے سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ جو پرسکون سی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی' مگر اطمینان بھی تھا۔

''جب آپ کا ایک دھوکہ سامنے آ جائے تو آپ کے سارے سچ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مت کہیئے کہ اس نے وہ قتل نہیں کیے۔ آپ کے چہرے پہ لکھا ہے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔''

احمر نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ ''مجھے نہیں پتہ وہ بے گناہ ہے یا نہیں، اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ اگر سوچوں تو وہ قاتل لگتا ہے، مگر وہ میرا دوست ہے، مجھے اس کی ہر بات ٹھیک لگتی ہے۔ آئی ایم سوری۔ ہم نے بہت غلط کیا۔'' خفت سے گردن قدرے جھکا کر وہ بولا۔

''مجھے آپ کی معذرت سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔'' نرمی سے کندھے اچکا کر وہ بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر اٹھ گیا۔

''اگر آپ کو کبھی یہ معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے' اور اسے پھنسایا گیا ہے تو آپ کیا کریں گی؟''

''وہ بے گناہ نہیں ہے، کم از کم مجھے اس پہ اب یقین نہیں آتا۔''

''میں دوبارہ آپ سے معذرت کرتا ہوں۔'' اس کا آفس چھوڑنے سے پہلے احمر نے پھر سے کہا تھا۔ زمر نے سر کو بس خم دیا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس نے معذرت قبول نہیں کی تھی۔

❖❖❖

لغزشوں سے ماورا تو بھی نہیں ، میں بھی نہیں ..... دونوں انسان ہیں، خدا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

احمر اپنے کچن کے اونچے اسٹول پہ' سوچ میں گم بیٹھا تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر بھاری قدم قریب آتے سنائی دیے۔

''کیوں بلایا ہے؟'' فارس بے نیازی سے پوچھتا ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھ لیں اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ احمر آنکھیں چھوٹی کر کے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

''اے! ہیلو!'' فارس نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی۔ وہ چونکا نہیں' بس آہستہ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''آج کچہری گیا تھا کسی کام سے۔ میڈم زمر سے ملاقات ہوئی۔''

''پھر؟'' فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

''یار ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی۔ لعنت ہے ہمارے اوپر۔''

وہ پہلے قدرے حیران ہوا' پھر ناگواری سے لب بھینچ لئے۔ چہرہ موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔

''یہ قصہ کیوں دہرا رہے ہو؟''

''ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کیا یار!'' وہ سخت پُر ملال تھا۔

''ایک منٹ۔ میں نے تمہیں دوسرے وکیل کے لئے پیغام دیا تھا' یہ تمہاری غلطی تھی۔'' خفگی سے اس نے بات کاٹی۔

''اور پھر تم نے کیا کیا؟'' وہ بھی اتنی ہی درشتی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے میری غلطی کو ٹھیک کیا؟ مجھے ایک دفعہ بھی کہا جا کر اس کو سب بتا دیتے ہیں۔ تمہیں پتہ تھا کہ ایسی مخبری پہ کارروائی کے بعد اگر ہم فرار ہو گئے تو اس کے ساتھ کیا ہو گا' مگر تم نے سب کچھ چلنے دیا۔''

''ایسے ظاہر مت کرو جیسے تم نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ برہم ہوا۔

''مگر میں اس کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ غازی تمہیں' کم از کم تمہیں پلان جاری نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اور پھر بعد میں تمہیں اس سے معافی بھی مانگنی چاہیے تھی۔ وہ قتل تم نے نہیں کیے ہونگے' تم بے قصور ہو گے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم زندگی میں ہر معاملے میں بے قصور ہو۔ تم نے واقعی اس کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔'' سنجیدگی سے وہ کہہ رہا تھا۔ فارس تنے ابرو کے ساتھ چہرہ موڑے سامنے دیکھتا رہا۔ چند پل ایک شدید تناؤ کی کیفیت میں خاموش گزرے۔ پھر وہ اسی خفگی سے بولا۔

''میں کیوں معافی مانگتا؟ میں نے اس پہ گولی نہیں چلائی تھی۔''

احمر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل۔ تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی۔ تم نے اس کا دل توڑا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔'' ملامتی انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا اور گھوم کر لاؤنج کی سمت آیا اور میز پہ رکھا موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ چند لمحے اس اظہارِ لاتعلقی کی نظر ہو گئے۔

فارس ابھی تک اونچے اسٹول پہ بیٹھا' خفگی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ احمر اس کی پشت پہ تھا۔ جب وہ مزید کچھ نہ بولا تو فارس نے گہری سانس لی۔

''مجھے پتہ ہے' میں نے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا۔'' پھر وہ گویا اکتا کر پیچھے گھوما۔ ''میں ڈھائی سال سے جیل میں بند تھا' میرے پاس کوئی دوسرا راستہ.....''

''اوہ پلیز' کوئی وضاحت مت دینا۔ کسی کا دل توڑنے کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی۔'' موبائل جیب میں رکھتے احمر نے چابیوں کا گچھا اٹھایا اور راہداری کی سمت بڑھ گیا۔

''اگر تمہیں خود جانا تھا تو کیوں بلایا مجھے؟'' اس نے بے زاری سے پکارا۔

''یہ بتانے کے لئے کہ میں آج کے بعد چڑیل کو چڑیل نہیں کہوں گا۔ دراصل آج مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنی بری نہیں ہے، جتنی

کورٹ میں مجھے لگا کرتی تھی۔ اور ہاں!'' دروازہ کھولتے کھولتے وہ رکا۔ مڑ کر سنجیدگی سے دور بیٹھے فارس کو دیکھا۔ ''میرا خیال ہے وہ جو تمہارے ساتھ کر رہی ہے' تم وہ ڈیزرو کرتے ہو۔'' پھر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

بدتمیز۔ پہلے سے خراب موڈ اسٹپنی نے مزید خراب کر دیا تھا۔ وہ اسٹول دھکیلتا خود بھی جانے کے لیے اٹھا اور یہ تبھی تھا' جب ندرت کا فون آیا۔

''میں نے زمر کو کال کی تھی' اس نے بتایا وہ آفس میں ہے۔ تم دونوں یوں کرو' دوپہر میں ہماری طرف آ جاؤ' سعدی صبح کہہ کر گیا تھا کہ شام کو ریسٹورانٹ کو کسٹمرز کے لئے بند کر کے باربی کیو کریں گے۔''

''رات کو ہاشم نے کھانے پہ بلایا ہے۔''

''میں نے زمر سے بات کر لی ہے' وہ کہہ رہی ہے ہاشم سے معذرت کر لے گی۔ تم بھی آ جاؤ۔'' اور ندرت عجلت میں فون کاٹ گئیں۔ فارس نے بے زاری سے موبائل کو تکا۔

اگر ہاشم سے معذرت کرنی ہی تھی تو میرے سامنے ہاں کرنے کیا ضرورت تھی۔ بے حد برے موڈ میں وہ وہاں سے نکلا تھا۔

❖❖❖

سانس روکے کھڑا تھا ملک الموت ..... سامنا دیپ کو ہوا کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج کو کولر نے ٹھنڈ بخش رکھی تھی۔ کھانے کے برتن اٹھائے جا چکے تھے' ندرت خوشی خوشی زمر کو کچھ بتا رہی تھیں جو صوفے پہ بیٹھی' نرمی سے مسکراتی ان کو دیکھ رہی تھی۔ حنہ قریب میں پیر اوپر کر کے بیٹھی' ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے ناخن چبا رہی تھی۔

''فارس کو دیکھو' آیا ہی نہیں' کب سے فون کیا تھا اسے۔'' ندرت نے گھڑی دیکھتے ہوئے قدرے خفگی سے کہا۔ زمر بدقت مسکرا پائی۔

''سعدی کب آئے گا؟'' موضوع تبدیل کیا۔

''پتہ نہیں' آج کسی کام سے گیا تھا' شاید دیر ہو جائے۔''

اور عین اسی وقت بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ان تینوں نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ شاید تیزی سے اندر آیا تھا' اس لئے اگلے ہی لمحے راہداری عبور کر کے چوکھٹ پہ آن رکا۔ کوٹ پہنا ہوا تھا' مگر ٹائی ڈھیلی تھی' بال قدرے بکھر چکے تھے' اور دھوپ کی تمازت سے چہرہ تمتمایا ہوا لگ رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینہ بھی تھا۔ مگر یہ اس کا حلیہ نہیں' کچھ اور تھا جس کے باعث وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔

جارحانہ انداز اور آنکھوں میں دبا غصہ۔ زمر کو دیکھ کر وہ چوکھٹ پہ تھما' سرخ غصیلی آنکھوں سے حنہ کو دیکھا۔ گردن ترچھی کر کے اشارہ کیا ''بات سنو میری!''

نہ سلام' نہ کچھ۔ حنین کے رسالہ پکڑے ہاتھ نم ہونے لگے۔ چہرہ بے رنگ ہوا۔ بھائی کو پتہ چل گیا۔ حنہ ڈیڑھ برس کی محنت کے بعد بھی اپنا اعتبار کھونے سے نہیں بچا سکی۔ سب اکارت گیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

زمر کی نظروں نے سعدی سے حنین کے چہرے تک کا سفر کیا جو ایک دم پریشان نظر آنے لگی۔ سعدی کہہ کر رکا نہیں' مڑ گیا۔ حنہ مرے مرے قدموں سے اٹھی' اور اس کے پیچھے گئی۔

''سعدی'' ندرت نے فکرمندی سے پکارا۔ مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ کمرے میں آیا' کوٹ اتار کر کرسی پہ ڈالا' اور پلٹا تو حنہ اٹکائی مروڑتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سعدی نے دروازہ پاؤں سے دھکیل کر بند کیا اور اس کی جانب گھوما۔ (دروازہ چوکھٹ سے ابھی چار انچ دور تھا جب باہر سے زمر نے ہینڈل تھام لیا۔ ذرا سی درز باقی رہ گئی۔)

''تمہارے آخری پیپر میں' جولاء اسکول میں تھا' کیا ہوا تھا؟ ہاں' کیا ہوا تھا؟'' وہ طیش سے اسے گھورتے دو قدم مزید قریب آیا۔ حنہ نے ڈرتے ڈرتے پلکیں اٹھائیں۔

''آپ کو کس نے بتایا؟''

''حنین میں نے تمہیں رکھ کر تھپڑ مارنا ہے اگر تم نے مجھے سیدھی طرح پوری بات نہ بتائی تو۔ تم چیٹنگ کرتے پکڑی گئی تھی' اور تم نے ہاشم کو بلایا تھا' ہاں؟''

حنین کی سعدی کا چہرہ تکتی آنکھیں نم ہوئیں۔ ذرا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی کے قدموں تلے زمین سرکنے لگی۔ ہاشم صحیح کہہ رہا تھا۔ اس کے کان سرخ ہوئے۔

''تمہارا بھائی مر گیا تھا جو اس گھٹیا آدمی کو بلایا تم نے؟'' وہ بے حد غم و غصے سے دھاڑا تھا۔

''تمہیں کیا پرابلم ہے اس بات سے؟'' زمر ٹھنڈے انداز میں کہتی اندر داخل ہوئی۔ حنہ نے نم آنکھوں سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حنین کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سعدی کے مقابل۔

''زمر' میں اپنی بہن سے بات کر رہا ہوں' آپ درمیان میں مت آئیں۔'' اس نے غصے کو ضبط کرتے بمشکل لحاظ کیا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے وہیں کھڑی رہی۔ ہلی بھی نہیں۔

''مگر میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ ہاشم کو بلانے کے لئے میں نے کہا تھا اسے۔ اس نے پہلا فون مجھے کیا تھا۔'' سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سکون سے بولی۔ حنین کا دل دھک سے رہ گیا۔

''مجھے پتہ ہے آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا۔'' وہ اتنے ہی غصے سے بولا۔

''شاید تم بھول گئے ہو کہ میں تم سے آٹھ سال بڑی ہوں۔ اس لئے پہلی بات' مجھ سے ذرا تمیز سے بات کرو۔ دوسرا یہ کہ مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا فون ریکارڈ چیک کر لو بے شک۔''

سعدی کے تنے کندھے قدرے ڈھیلے پڑے' مگر غصہ بھری آنکھوں میں شکوک و شبہات لئے وہ زمر کو دیکھتا رہا۔

''اچھا اگر آپ کو یہ بات پتہ تھی تو کیا نام ہے اس وکیل کا جو اس لاء کالج کا منتظم ہے اور جس سے ہاشم نے بات کر کے اس کو....'' غصیلی نظر حنین پہ ڈالی۔ ''اس مسئلے سے نکلوایا تھا؟''

''راجہ عبدالباسط' ممبر ہائی کورٹ بار۔ کیا گھر کا ایڈریس بھی دوں ان کا؟'' وہ اتنی برہمی سے بولی کہ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''اگر حنین نے آپ کو کال کیا تھا تو آپ خود کیوں نہیں گئیں؟ ہاشم کو کیوں انوالو کیا میرے گھر کے معاملے میں؟'' وہ اب بھی مشکوک تھا اور غصہ پھر سے چڑھنے لگا۔

''کیونکہ میں دن میں پچیس کام کر کے دیتی ہوں اس کے' دو چار وہ کر دے گا تو احسان نہیں کرے گا۔'' وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔ ''اس وکیل سے میرے تعلقات اچھے نہیں ہیں' اس کے گروپ کو ووٹ نہیں دیا تھا میں نے' دوسرے بھی کئی مسئلے ہیں میرے ساتھ۔ میں جاتی تو مسئلہ مزید بگڑتا' اس لئے میں نے حنہ سے کہا کہ ہاشم کو کال کرتی ہوں۔ میرے کرنے سے پہلے حنہ نے کر لی کال اور وہ پہنچ بھی گیا۔ تمہیں کیا پرابلم ہے اس سب سے؟''

''تم نے....'' سعدی کے چہرے پہ اشتعال ابھرا' انگلی اٹھا کر سنگین انداز میں پوچھا۔

''تم نے چیٹنگ کی تھی یا نہیں؟''

اور یہ وہ سوال تھا جس کا جواب زمر کو بھی معلوم نہیں تھا' سو وہ اسی اطمینان سے حنین کی طرف گھومی۔ ''بولو بھی حنین' اپنی پوزیشن کلیئر کرو، کھا نہیں جائے گا وہ تمہیں۔''

اور حنین جو اس وقت مختلف کیفیات کا شکار ہو رہی تھی' اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''میں نے چیٹنگ نہیں کی تھی' پچھلی لڑکی نے ٹشو میں نقل لکھ کر مجھے دی کہ اگلی کو دوں۔ وہ ٹشو میرا نہیں تھا' نہ میں نے کچھ پڑھا اس میں۔ میں نے تو صرف ٹشو پاس کیا تھا۔ ممتحن نے مجھے دیکھا' اور دوسروں کو نہیں' بس مجھے اٹھا دیا اور پھر....'' وہ سارا واقعہ واضح واضح بتانے لگی۔

''تمہیں پتہ تھا اس ٹشو میں کیا لکھا ہے؟'' وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔ اور ایک یہی نکتہ تھا جہاں پہنچ کر پچھلے دو ہفتے سے حنین کا دل ڈوبتا تھا۔

''مجھے پتہ تھا' مگر....''

اور سعدی نے بے زاری سے سر جھلایا۔ ''تمہیں پتہ تھا اور پھر بھی تم نے ٹشو آگے پاس کیا۔ تم نے ان کی اعانت کی۔ تم ان کی چیٹنگ میں شریک بنی۔'' نفی میں سر ہلاتے اس نے غصے اور صدمے سے حنہ کو دیکھا جس کے آنسو مزید تیز سے گرنے لگے تھے۔ ''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا حنین۔''

''اچھا اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟'' زمر نے اس کی توجہ حنین سے ہٹائی۔

''میں اسی وقت کھڑا ہو کر وہ ٹشو ممتحن کے حوالے کر دیتا۔ اعانتِ جرم' جرم کرنے کے برابر ہوتی ہے۔''

''تم ایسا کر بھی سکتے ہو' کیونکہ تمہارے ساتھ کمرہ امتحان میں لڑکے ہوتے' جو تھانے چلے جائیں' پرچہ کٹ جائے اور تین سال امتحان نہ دے سکیں تو کوئی قیامت نہیں آتی' مگر حنہ کے ساتھ لڑکیاں تھیں' اور ان کی عزت اگر خاک میں ملے تو پورا خاندان تباہ ہوتا ہے سعدی۔ کیا یہ ان دو لڑکیوں کو ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا دیتی؟'' وہ تیز لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔ ساتھ ہی آنکھوں میں بے پناہ برہمی تھی۔

سعدی کے ماتھے کی تیوریاں قدرے ڈھیلی پڑیں' مگر پوری طرح نہیں۔

''اور اب کیا ہوگا؟ وہ وکیل اس چیز کو اب بھی استعمال کر سکتا ہے۔''

''تمہیں لگتا ہے میں اسے یہ کرنے دوں گی؟' اس نے الٹا حیرت سے سعدی سے پوچھا۔ کوئی بوجھ سا تھا جو سعدی کے دل سے سرکنے لگا۔ وہ رخ موڑ کر گہرے سانس لیتا خود کو کمپوز کرنے لگا۔ حنہ فکرمندی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی۔ اس کا سانس ابھی تک اٹکا تھا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا' ہاں؟'' اس نے ملامتی نظروں کا رخ زمر کی طرف کیا۔

''تمہیں بتاتی تا کہ تم وہ کرو جو ابھی کر رہے ہو۔ آخر میں ہو تو فارس کے ہی بھانجے نا۔ (فی الحال وہ دونوں بھانجے اس ریفرینس پہ احتجاج کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ اسی تیز' برہم انداز میں بولتی گئی۔) اور تم کیا کر لیتے وہاں آ کر سوائے مسئلہ بڑھانے کے؟ میں نے وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔ حنہ نے بھی وہی کیا جو اسے ٹھیک لگا۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے' جب تم انگلینڈ میں مزے کر رہے تھے۔ (سعدی نے اس لفظ پہ بے اختیار ابرو اٹھائی۔) تو یہاں زمر اور حنین اپنے مسئلے خود حل کر رہی تھیں۔ کیا ہم نے تمہیں بتایا حنہ کی اس کلاس فیلو کے بارے میں جو اسے ہراس کر رہی تھی' یا اس وائس پرنسپل کے بارے میں جو غلط طریقے سے اس کی محنت چرانا چاہ رہی تھی' یا ان لوگوں کے بارے میں جن کو میں اور حنہ گھر جا کر ان کی غیر قانونی جائیداد کے خلاف کارروائی کی دھمکی دے کر آئے تھے۔ ہم نے تو بہت سارے مسئلے اکیلے سلجھائے ہیں' کس کس کا بتاؤں میں تمہیں؟'' ایک واقع کو تین سے ضرب دے کر اس نے کہا تو سعدی کا غصہ جاتا رہا۔ وہ واقعی ٹکر ٹکر دونوں کی شکل دیکھنے لگا۔

''میری بات کان کھول کے سنو سعدی' آئندہ اس لہجے میں اپنی بہن سے بات مت کرنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' انگلی اٹھا کر سختی سے اس کو وارننگ دی۔ ''اب باہر نکلو تو تم دونوں کا موڈ ٹھیک ہونا چاہے۔ بھابھی کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔'' ایک آخری ناراض نظر ان پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

پیچھے سعدی اور حنین کے درمیان خاموشی حائل ہوگئی۔ وہ جھکی' بھیگی پلکوں کے ساتھ کھڑی تھی' اور وہ گو کہ ابھی تک خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا' مگر صاف ظاہر تھا وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

''آئی ایم سوری۔ میں نے صرف اس لئے نہیں بتایا کہ مجھے لگا' آپ مجھے غلط سمجھیں گے' مگر میں آپ کو بتانے والی تھی۔''

''اگر تم غلط نہیں تھی تو میں تمہیں کیوں غلط سمجھتا؟ زمر جو بھی کہیں' تم لوگوں کو مجھ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ ہم ایک فیملی ہیں' ہم ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپا سکتے۔''

''آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ نے دوبارہ چیٹنگ کا سنا تو ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔''

''افوہ!'' سعدی نے جھلا کر سر جھٹکا۔ ''امی دن میں پچاس دفعہ کہتی ہیں کہ تمہاری ٹانگیں توڑ دیں گی' کبھی آج تک توڑی؟''

حنین نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

''انسان تنبیہہ کرتے ہوئے بہت سی باتیں کہہ دیتا ہے' ایسا کرنا تھوڑا ہی ہوتا ہے؟ ہم ایک خاندان ہیں' تم لاکھ دفعہ غلطی کرو' میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا' میں تمہارا بھائی ہوں۔ موت کے علاوہ کوئی چیز ہمارے درمیان نہیں آسکتی۔'' اور موت کا لفظ اتنا اداس کر دینے والا تھا کہ حنین کا دل لرز گیا' مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ''میری بات سنو' اب تم کبھی بھی آئندہ ہاشم کو نہیں بلاؤ گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ تم مجھے بلاؤ گی' میں نہیں ہوں تو تم زمر کو بلاؤ گی' مگر کبھی بھی ہاشم پہ بھروسہ نہیں کرنا۔''

''وہ ویسے نہیں ہیں جیسے آپ ان کو سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے اتنا کرتے ہیں' اور ہم....''

''بالکل بالکل Saint Hashim کی برائی تو میرا خاندان سن نہیں سکتا۔'' افسوس سے اس نے حنہ کو دیکھا۔ ''بہر حال' ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی میں فریش ہولوں۔'' حنین نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ باہر نکلی تو سعدی کچھ یاد آنے پہ ساتھ ہی باہر آیا۔ زمر ندرت کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''مجھے کچھ کام کرنا ہے' پھر میں چاہتا ہوں کہ آپ سب ریسٹورانٹ میں جمع ہو جائیں رات کے کھانے کے لئے۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' اس نے اب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اطلاع دی۔ زمر مسکرا دی' سر کو خم دیا۔ وہ پلٹ گیا۔ اس کے جاتے ہی زمر نے حنین کو اشارہ کیا' اور وہ ندرت سے معذرت کر کے حنین کے کمرے میں چلی آئیں۔ زمر نے دروازہ بند کیا اور جب اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ ڈھیروں غصہ تھا۔

''تم نے ہاشم کو کال کیا؟ ہاشم کا ردار کو؟'' غصے اور صدمے سے دبی آواز میں پوچھتی' اس نے حنین کو کہنی سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''وہ میرے مقروض تھے' مجھے سمجھ نہیں آئی اور کیا کروں۔ میں.....'' اس نے تفصیل سے ایک ایک بات بتا دی۔

''سعدی کو کس نے بتایا؟'' اس نے غصے سے گھورتے بات کاٹی۔

''پتہ نہیں' انہوں نے نہیں بتایا۔''

''ظاہر ہے ہاشم نے بتایا ہوگا۔''

''کبھی بھی نہیں۔ وہ نہیں بتا سکتے۔ کسی اور نے بتایا ہوگا۔'' حنین نے جتنے وثوق سے کہا' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب گہرا ہوا۔

''ہاشم اچھا آدمی نہیں ہے حنہ۔کبھی دوبارہ اس کو اپنے مسئلوں کے لئے نہیں بلانا۔اچھا؟''

''اچھا۔'' وہ خفیف سی ہوکر رہ گئی۔پھر یاد آیا۔'' آپ کو کیسے پتہ ان وکیل صاحب کا نام؟''

''تم نے خود بتایا تھا کہ تم کہاں ایگزام دے رہی ہو۔وہاں ایک ہی سینئر لائیر ہیں۔میں جانتی ہوں ان کو۔''

اوہ۔تو باقی سب سچ تھا۔

''اب قیامت تک سعدی کو پتہ نہ چلے کہ تم نے مجھے کال نہیں کی تھی' اوکے؟'' موبائل پہ نمبر ملاتی وہ باہر کی طرف بڑھی' پرس بھی جس انداز سے کندھے پہ ڈالا' حنین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''آپ کہاں....؟''

''مجھے ایک رپورٹ اٹھانے جانا ہے لیب،شام تک آجاؤں گی،مگر سنو۔'' جاتے جاتے دوبارہ سختی سے تنبیہہ کی۔'' آئندہ کوئی بھی مسئلہ ہو' تم اسے نہیں' مجھے بلاؤ گی۔چاہے تمہیں مجھ سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو۔''

آخری الفاظ پہ حنین کا دل ایک دم خالی ہوگیا۔وہ وہیں شل سی کھڑی رہ گئی۔زمر اس کو دیکھے بغیر' موبائل پہ بٹن دباتی آگے بڑھ گئی۔ کھڑے کھڑے ندرت کو کام کا بتایا' اور پھر اسی طرح موبائل پہ دیکھتی راہداری پار کی اور دروازہ کھولا تو....وہ سامنے کھڑا تھا۔ہینڈل پہ ہاتھ رکھنے لگا تھا' اسے دیکھ کر رک گیا۔زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' پھر واپس موبائل پہ نظریں جھکائے ایک طرف ہوگئی۔وہ خاموشی سے اندر آیا اور وہ باہر نکل گئی۔فارس گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔دل میں چھپا کرب اور آنکھوں کا حزن مزید بڑھ گیا۔

(تم نے اس کا دل توڑا ہے۔مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔)

جس وقت وہ ندرت سے مل رہا تھا' اور حنین کھڑکی سے باہر زمر کو جاتے دیکھ رہی تھی،اندر سعدی اپنے باتھ روم سے تازہ دم ہوکر نکل رہا تھا۔گیلے بال تولیے سے رگڑتے' سفید آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز پہنے وہ پہلے سے بہت ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ لاک کیا۔اور وہ کوٹ جو آج پہن کر گیا تھا' اسے اٹھا کر کمپیوٹر چیئر پہ آبیٹھا۔لیپ ٹاپ آن کیا۔

''سو ہاشم بھائی.....سعدی یوسف ایک معصوم' بے وقوف بچہ ہے نا۔'' کوٹ کی اوپری جیب سے پین نکالا' اور کوٹ کو پیچھے بیڈ پہ اچھال دیا۔

''اور یہ معصوم بچہ اتنا گھامڑ ہے کہ آپ کو جا کر کہتا ہے کہ اعترافِ جرم کر کے معافی مانگ لیں' اور دیت ادا کریں۔آپ کے خیال میں سعدی آج آپ کے پاس اس لئے آیا تھا؟'' بالآخر وہ تکان سے مسکرایا۔لیپ ٹاپ اسکرین روشن ہوچکی تھی۔

''نہیں ہاشم بھائی' میں آپ کے پاس ''اس'' لئے آیا تھا۔'' اپنے پین کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا' اور پھر' پین کا ڈھکن کھولا۔اندر نب نہیں تھی۔اس کی جگہ یو ایس پی پلگ تھا۔سعدی نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلگ لیپ ٹاپ میں داخل کیا۔

''مجھے صرف آپ کا اعترافِ جرم چاہیے تھا ہاشم بھائی۔اور وہ مجھے مل گیا۔'' پین لیپ ٹاپ میں لگ چکا تھا' اور اب وہ اسکرین پہ وہ دکھا رہا تھا جو اس میں لگے ننھے کیمرے نے ریکارڈ کیا تھا۔سعدی کی اوپری جیب میں لگا قلم' ہاشم کے آفس میں داخل ہونے سے لے کر' وہاں سے نکلنے تک' تمام مناظر بہترین کوالٹی میں عکس بند کرتا آیا تھا۔چونکہ زیادہ وقت اس کے سامنے ہاشم اور جواہرات رہے تھے' اس لئے وہ اسکرین پہ بالکل سامنے نظر آئے تھے۔پوائنٹ بلینک پہ۔جیسے انٹرویو ریکارڈ کروا رہے ہوں۔

''میری بات پہ کوئی یقین نہیں کرے گا' مگر کیا آپ کی اپنی بات پہ بھی کوئی یقین نہیں کرے گا؟'' آسودہ سی گہری سانس بھرتے اس نے کرسی پہ ٹیک لگالی۔

''آپ لوگوں نے فارس غازی کو پھنسایا ٹیکنالوجی استعمال کر کے۔اب آپ دیکھئے کہ میں یہی ٹیکنالوجی آپ کو کیسے لوٹاتا ہوں۔

میں ایک بے وقوف بچہ نہیں ہوں۔ آپ بھول گئے کہ میں ایک سائنسدان ہوں۔''

ویڈیو بہترین کوالٹی اور کلیئر آواز کے ساتھ اس کے سامنے چل رہی تھی' اور وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر تلے رکھے' ٹیک لگائے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

❖❖❖

جان محسن تو بھی تھا ضدی، انا مجھ میں بھی تھی ..... دونوں خودسر تھے، جھکا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

دوپہر باسی ہو کر شام میں ڈھل گئی اور سارے شہر پہ نیلا سا اندھیرا پھیلنے لگا۔ ایسے میں چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں رونق لگی تھی۔ بڑے ابا نرمی سے مدھم آواز میں فارس سے کچھ کہہ رہے تھے' جسے وہ سنجیدگی سے سن رہا تھا' البتہ گاہے بگاہے ابا ایک پُرتشویش نگاہ زمر پہ بھی ڈالتے جو فارس کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ نوبیاہتا لڑکیوں کی طرح ہی لگ رہی تھی' شفون کے ہلکے کام والے لمبے نیوی بایو گاؤن اور سلک پاجامے میں ملبوس' جھکے چہرے پہ میک اپ بھی نظر آتا تھا' اور کانوں میں آویزے بھی' مگر وہ جس طرح سامنے جا کر بیٹھی تھی' اور ابھی تک فارس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی' یہ یوسف صاحب کو کھٹک رہا تھا۔

ندرت بھی نیا جوڑا پہنے' اندر کمرے میں تیار ہو رہی تھیں۔ میک اپ کے لئے حنین کی محتاج تھیں' بیڈ پہ بیٹھی اسے سخت سست سناتے ہوئے جلدی کرنے کا کہہ رہی تھیں جس کی اپنی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ ڈنر' ریسٹورانٹ میں سعدی کی طرف سے تھا اور اس کا پلان تھا کہ سب مل کر باربی کیو کریں گے۔ ویٹر فارغ۔ امی کو بھی ریسٹ ملے گا۔ البتہ وہ خود تھوڑی دیر پہلے باہر نکلا تھا۔ کہاں' اس نے نہیں بتایا۔

''حنین میری اچھی بیٹی' جلدی کرو' میری لپ اسٹک لگا دو۔'' ندرت بیڈ پہ بیٹھیں' اسے مسلسل پکار رہی تھیں۔ (میک اپ کے لئے بیٹیوں کی محتاج مائیں۔) وہ جلدی سے ٹاپس پہنتی ان تک آئی۔

''نہیں نہیں' صبح کون کہہ رہا تھا مجھے نکھٹو' پھوہڑ حنین۔'' ان کے سامنے کھڑے' جھک کر ان کو لپ اسٹک لگاتے وہ ترنت بولی تھی۔ بھائی سے صلح ہو گئی، ایک بوجھ دل سے ہٹ گیا، وہ بھی موڈ میں آ گئی تھی۔ اب ندرت نہ بول سکتی تھیں' نہ جوتا اتارنے ہاتھ پاؤں تک نیچے لے جا سکتی تھیں۔ (ذرا یہ لپ اسٹک مکمل کر لے نا!)

''تمہاری جاب کا کیا بنا؟'' باہر لاؤنج میں فارس نے بظاہر توجہ سے ابا کا سوال سنا مگر ان کی بار بار زمر کی طرف اٹھتی فکرمند نگاہیں اسے نظر آ رہی تھیں۔

''اپنی ایجنسی میں تو کوئی چانس نہیں رہا، ایک دو پرائیوٹ سیکیورٹی ایجنسیز میں اپلائی کیا تھا، اپائنٹ کر لیا گیا ہے، یکم سے جوائن کرنا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' ابا نے پھر زمر کو دیکھا جو لاتعلقی سے سامنے بیٹھی موبائل پہ ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''زمر!'' فارس نے عام سے انداز میں اسے پکارا تو زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ابا کو جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر آ جائیں نا۔'' اس نے بڑے صوفے پہ اپنے ساتھ خالی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ بڑے ابا خاموشی سے زمر کو دیکھے گئے۔

اس نے جیسے ڈھیروں غصہ ضبط کیا' بدقت مسکرائی۔ البتہ آنکھوں میں فارس کے لئے شدید تپش تھی۔

''سوری میں آپ لوگوں کو وقت نہیں دے پا رہی۔ کچھ ای میلز کرنا تھیں۔'' بظاہر مسکرا کر کہتی' وہ اٹھی اور جب اس کے ساتھ بیٹھی تو درمیان میں نامحسوس سا فاصلہ رکھا۔ بڑے ابا غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔

''سعدی کیا کہہ رہا تھا؟ کب آئے گا وہ۔'' فارس نے چہرہ موڑ کر اسے مخاطب کیا۔ ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (بڑے ابا

دوسری سمت بیٹھے تھے' اس کے مڑے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتے تھے۔) وہ اسے ابا کے سامنے مخاطب کر رہا تھا' اسے جواب دینا تھا۔

''وہ..... ابھی آجائے گا تھوڑی دیر تک۔'' اندر اٹھتے ابال کو دبا کر وہ مسکرا کر بولی۔ ابا کے چہرے پہ اطمینان سا چھانے لگا۔ اندر سے آتی ندرت چلنے کا کہنے لگیں تو وہ اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر نے اسے تیز نظروں سے گھورا' مگر وہ اسی سنجیدگی سے واپس ابا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' پھر سے موبائل دیکھنے لگی۔ البتہ اندر کوئی ابال سا اٹھنے لگا تھا۔ (یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا شروع میں لگا تھا۔)

''چلیں ہم ریسٹورانٹ چلتے ہیں' سعدی وہیں آجائے گا۔'' ندرت نے جلدی مچائی اور سیم نے ابا کی چیئر تھامی۔ حنین گھر کے دروازے لاک کرنے لگی۔ زمر اور فارس ساتھ ساتھ اٹھے۔ بڑے ابا نے سیم سے آہستہ سے کچھ کہا' وہ مڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے حنین سے کیمرہ لے آیا۔

''آپ دونوں کی ایک پکچر لے لوں؟ امی آپ بھی آجائیں نا۔''

''نہیں میری تصویریں اچھی نہیں آتیں۔'' ندرت دوسرے کاموں میں مصروف تھیں' منع کر گئیں۔ زمر نے بھی انکار کرنے کو لب کھولے' پھر کنکھیوں سے دیکھا' ابا اسی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ جبراً مسکرائی۔ ساتھ کھڑے فارس پہ ہلکی سی نظر ڈالی۔ وہ سیاہ پینٹ پہ پورے آستین اور گول گلے کی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی ساری شرٹس ایک جیسی ہوتی ہیں!)

سیم کیمرہ لے کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ فارس مسکرایا نہیں' بس اسی سنجیدگی سے زمر کے ساتھ کھڑا رہا۔ البتہ وہ جبراً مسکراتی رہی۔ کلک۔ اور دکھاوا ختم۔ وہ اس سے پہلے ہی باہر نکل آئی۔ اب مزید اس کے قریب رہنا برداشت سے باہر تھا۔

اور یہ باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر پہلی دفعہ تھا جب زمر کو ایک دم سے فکر ہونے لگی۔

''سعدی کو اب تک آجانا چاہیے تھا۔ کدھر رہ گیا؟'' وہ خود سے بڑبڑائی۔

''بس وہ آتا ہی ہوگا۔'' ندرت عجلت سے' خوشی سے گھر لاک کر رہی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں تفکر ہلکورے لینے لگا۔ کچھ ٹھیک نہیں محسوس ہوتا تھا۔

❖❖❖

سلوکِ یار سے دل ڈوبنے لگا ہے فراز ..... مگر یہ محفلِ اعداء ہے، کیا کیا جائے!

قصرِ کاردار اندھیرے میں ڈوبنے لگا تو ملازموں نے ساری بتیاں جلا دیں' اور اونچا محل چمکنے لگا۔ لاؤنج میں ایک ملازم گملے پہ جھکا پتے تراش رہا تھا' اور فیونا اس کے سر پہ کھڑی' ہدایات دے رہی تھی' جب ہاشم اندر داخل ہوا۔ فیونا فوراً اس تک آئی۔ پیچھے آتے ملازم سے ہاشم کا بریف کیس لے لیا' اور اسے جانے کا کہا۔ وہ کوٹ اتارتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف چلتا گیا۔ فیونا پیچھے لپکی۔

''کیا بات ہے' ڈنر کی تیاری نہیں ہو رہی کیا؟''

'مسز زمر نے مسز کاردار کو فون کر کے معذرت کر لی تھی۔ مسز کاردار نے کل کے ڈنر کا کہہ دیا ہے۔''

''کیوں؟'' سیڑھیاں چڑھتے ہاشم نے تعجب سے مڑ کر اسے دیکھا۔

''تفصیل نہیں معلوم۔ غالباً ان کے بھتیجے نے پہلے دعوت دے دی تھی۔''

''سعدی۔'' ہاشم نے زخمی سا مسکرا کر سر جھٹکا' اور زینے چڑھتا گیا۔ فیونا بے چین سی پیچھے آئی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو فیونا نے اس کا کوٹ لے لیا۔ بریف کیس بھی احتیاط سے رکھا۔

''کچھ کہنا ہے؟'' وہ ٹائی ڈھیلی کر کے اتارتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں موبائل نکال کر دیکھنے لگا۔

''جی۔ مگر آپ کسی کو نہیں بتائیں گے کہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے۔'' وہ مضطرب سی اس کے سامنے کھڑی سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

''بولو۔''

''مجھے معلوم ہے مجھے گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو نہیں بتانی چاہیئے' مگر آپ کے خاندان سے وفاداری کے باعث میں....''

''اپنی تقریر مختصر کر کے کام کی بات پہ آؤ۔ مجھے تمہاری اخلاقیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وہ موبائل کی اسکرین کو انگوٹھے سے اوپر کرتا جا رہا تھا۔

''جی۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر جلدی جلدی بولنے لگی۔ ''میں نوشیرواں صاحب کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔''

اسکرین پہ انگوٹھا پھیرتے ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیوں؟ کہاں ہے وہ؟''

''وہ تو صبح آفس کے لئے نکلے تھے' اس کے بعد گھر نہیں آئے۔''

''کیا واقعی؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''مگر میں پچھلی رات کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ جب....'' وہ بے چینی سے جلدی جلدی بولنے لگی۔ ہاشم ابرو بھینچے سنتا گیا۔

.....❖❖❖.....

میرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو ..... جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر، وہ قرض آج چکا دیا

اندھیرا آہستہ آہستہ چھوٹے باغیچے والے گھر اور اس کالونی کو نگل چکا تھا۔ نوشیرواں کا ردار اپنی گاڑی کہیں دور کھڑی کر کے' اس کالونی کے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ ساری گلی سنسان' اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ کہیں اکا دکا یو پی ایس کے انرجی سیور جل رہے تھے۔ باقی گھپ اندھیرا تھا۔ جس کے باعث پی کیپ پہنے کھڑے نوشیرواں کا چہرہ دور سے صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں قریب سے دیکھو تو وہ کینہ توز نظروں سے اس گھر کو گھورتا دکھائی دے رہا تھا جس کے باہر سعدی کھڑا موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ نوشیرواں کی آنکھیں سرخ لگتی تھیں اور پپوٹے سوجے سوجے سے۔ جیبوں میں ڈلے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ وہ اسی صبح والے ویسٹ' ٹائی اور پینٹ میں ملبوس تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب سعدی گھر سے نکلا تھا اور ابھی اندر زمرا اور فارس بڑے ابا کے ساتھ بیٹھے تھے۔ موبائل جیب میں ڈالے' ہینڈز فری کانوں میں لگائے' وہ آگے بڑھنے لگا تو نوشیرواں درخت کی اوٹ سے نکلا اور اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' لبوں میں کوئی مدھم سی سیٹی گنگناتا' مگن سا چلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ رکا۔ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ احتیاط سے اس کا تعاقب کرتا نوشیرواں قریبی درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ (وہاں ہر گھر کے آگے پودے یا درخت تھے۔) سعدی نے آنکھیں سکیڑ کر اندھیر سڑک کو دیکھا' اور ادھر ادھر گردن گھمائی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں درخت کے عقب سے نکلا اور احتیاط سے فاصلہ رکھے پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سعدی یوسف چلتا گیا۔ موڑ مڑ کر پچھلی گلی میں آ گیا۔ یہ بھی تاریکی میں ڈوبی تھی۔ نوشیرواں یہاں بھی اس کے پیچھے چلتا رہا۔ اس کے دل میں ہر اٹھتے قدم کے ساتھ جوش اور ابال بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک لاوا تھا جو پھٹنے کو بے تاب سا تھا۔

تیسری گلی میں مڑنے سے قبل سعدی نے پھر رک کر پیچھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ گلی ویران اور خالی تھی۔ دور شاید کسی موٹر سائیکل کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے آگے بڑھ گیا۔

ایک گلی سے نکل کر وہ اگلی میں مڑ جاتا۔ چند منٹ بعد نوشیرواں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ وہی گلی تھی جہاں سے وہ ابھی پانچ منٹ پہلے نکلے تھے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ انہی تین چار گلیوں میں ہی پھر رہے تھے۔ کیا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے؟

نوشیرواں کی آنکھوں میں برہمی در آئی۔ اندر ہی اندر شدید تلملاہٹ ہوئی۔ اس نے اپنا اور سعدی کا درمیانی فاصلہ بڑھا

دیا۔ دفعتاً سعدی ایک گلی کا موڑ مڑ کر دوسری میں چلا گیا تو وہ دبے قدموں اس موڑ تک آیا۔

اگلی گلی سنسان تھی۔ خالی، ویران۔ سعدی کہیں نہیں تھا۔

''ڈیم اِٹ!'' غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ وہ ادھر ادھر گھوما۔ آگے پیچھے پھرا۔ مکمل اندھیرا۔

اس گلی میں کوئی بتی نہ تھی۔ سوائے دو تین گھروں کے' سڑک کے اطراف کے باقی تمام پلاٹس پہ زیرِ تعمیر مکان تھے' یا محض سریے کھڑے تھے۔ دن میں یہاں مزدور ہوتے اور رات میں محض جنات۔ نوشیرواں اس گلی کی چوڑی سڑک کے وسط میں کھڑا شدید جھنجھلاہٹ سے آگے پیچھے ایک ایک گھر میں جھانک رہا تھا۔ وہ کہاں گیا؟

اس نے پوری گلی عبور کی۔ اندھیرے کے باوجود اطراف میں وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ سعدی ادھر نہیں تھا۔ دور کہیں راہگیر بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دو چار گلیاں چھوڑ کر سڑک سے ٹریفک کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ایسے میں اس نے رک کر سعدی کی کوئی چاپ سننی چاہی مگر پسِ منظر کی آوازوں کے باعث یہ ناممکن تھا۔

وہ پھر سے پچھلی گلی میں آیا۔ شدید تلملاہٹ اور اندر ابلتے غصے سے آگے پیچھے جھانکا۔ مگر نہیں۔ سعدی جس گلی میں گم ہوا تھا' وہ وہیں ہوگا۔ چند منٹ ضائع کر کے نوشیرواں واپس اس زیرِ تعمیر مکانوں والی ویران اور اندھیر گلی میں آیا۔

سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اندازہ کرنا چاہا کہ وہ کہاں غائب ہوا تھا۔ تبھی دور کہیں موبائل کی گھنٹی بجی۔ اگلے ہی لمحے وہ بند کر دی گئی' مگر نوشیرواں کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ امڈ آئی۔

وہ آواز دائیں طرف کے ایک زیرِ تعمیر مکان سے آئی تھی۔ سعدی اپنا فون سائلنٹ کرنا بھول گیا تھا۔ نوشیرواں نے جیب سے پستول نکالا' اور اسے ایک ہاتھ میں پکڑے' اعتماد سے قدم اٹھاتا اس گھر تک آیا۔

گھر کا گیٹ لگ چکا تھا' مگر اندر برہنہ اینٹوں کی عمارت کے دروازے' کھڑکیاں ابھی ندارد تھے۔ گیٹ کے قریب آ کر اس نے گردن اونچی کر کے جھانکا۔ وہاں بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ' پورچ میں سعدی کھڑا تھا۔ منہ دوسری طرف تھا۔

''کیا تم مجھ سے چھپ رہے تھے؟'' طنزیہ انداز میں اسے پکارتے وہ گیٹ کو دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ پاؤں سے گیٹ واپس دھکا دے کر بند کیا۔

سعدی جو پشت کیے کھڑا تھا' مڑا۔ اس کی نگاہیں پہلے نوشیرواں کے ہاتھ میں پکڑے پستول تک گئیں اور پھر اس کی آنکھوں تک۔

''تم کیا کر رہے ہو یہاں' شیرو؟'' بظاہر اطمینان سے کہا۔

''میں تمہیں تمہارا کارما دینے آیا ہوں۔'' پستول کی نال بازو لمبا کر کے اس کی طرف بلند کی۔

سفید ٹی شرٹ میں ملبوس چھوٹے کٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے مسکرایا۔

''میں نے کبھی کسی کی جان نہیں لی۔ میرا کارما مجھے گولی کے ذریعے دینے آئے ہو؟''

''تم اسی قابل ہو۔'' اس پہ پستول تانے' نوشیرواں کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ ''بہت دفعہ میں نے تمہیں برداشت کیا' سوچا ہاشم بھائی سنبھال لیں گے تمہیں' مگر نہیں۔ سعدی... تمہارا ایک ہی حل ہے۔ اس کے علاوہ تم کسی اور طریقے سے ہماری زندگیوں سے نہیں نکلو گے۔''

''تم واقعی مجھے مارنے آئے ہو؟'' ابرو اٹھا کر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ اسے معلوم تھا شیرو کبھی اس پہ گولی نہیں چلا سکتا۔ شیرو اس کا دوست رہا تھا۔

''ہاں' تاکہ تم مجھے مزید نقصان نہ دو۔''

''میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں دیا۔نوشیرواں۔'' نرمی سے کہتے ہوئے سعدی کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف رینگ رہا تھا۔

''زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔اپنا موبائل نکال کر زمین پہ پھینک دو۔'' پستول کو مزید تانے شیرو نے برہمی سے کہا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔موبائل نکالا اور جھک کر زمین پہ رکھا۔زمر کی کال آ رہی تھی۔مگر...وہ سیدھا ہو گیا۔اس نے سوچا کاش اس کا پین کیمرہ اس کی فرنٹ پاکٹ میں ہوتا' مگر وہ بھی اس کے پاس ابھی نہیں تھا۔نہتا سعدی یوسف' اب نوشیرواں کی تنی پستول کے سامنے کھڑا تھا۔

''میرا قصور کیا ہے؟'' اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کا اطمینان نظر آتا تھا۔

''اتنا کچھ کرنے کے بعد تم میں اتنی بھی شرم نہیں کہ اپنا قصور پوچھ رہے ہو؟'' صدمے اور غصے سے سامنے کھڑے نوشیرواں کی آواز کپکپائی۔''تم نے میری زندگی کی ہر خوشی spoil کی۔تم نے مجھ سے میرا بھائی چھینا' میری ماں کا اعتبار چھینا' میرا باپ اس حالت میں مرا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا' تمہاری صرف تمہاری وجہ سے!'' بھرے ہوئے انداز میں کہتے اس کی آواز بلند ہوئی۔آنکھوں کی سرخی اور طیش بڑھ رہا تھا۔

''میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ اچھائی کی ہے شیرو۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' وہ غرایا۔''آج تم اپنا منہ بند رکھو گے' آج تم مجھے سنو گے۔''

''اُو کے' شیرو!'' سعدی نے سر کو تسلیماً خم دیا' البتہ پہلی دفعہ اس کے چہرے پہ چھایا اطمینان' قدرے پریشانی میں بدلتا نظر آیا تھا۔

''میرا نام نوشیرواں ہے!'' وہ غصے سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ چلایا۔پستول ہنوز تان رکھی تھی۔''مجھے اس نام سے مت پکارو جس سے میرے دوست پکارتے ہیں۔تم میرے دوست نہیں ہو۔تم ایک احسان فراموش آدمی ہو۔تم...تم نے میرا ہر رشتہ خراب کیا ہے۔تم نے میرا اور شیری کا تعلق بھی خراب کیا ہے۔''

''میں نے شہرین سے....''

''اپنی بکواس بند رکھو سعدی!'' غضبناک ہو کر اس نے کلک کے ساتھ پستول لوڈ کیا۔سعدی کو سرخ بتی جلتی بجھتی محسوس ہونے لگی۔

''تم نے شیری کو بلیک میل کیا' تم نے میرے اور اس کے ہر ممکنہ تعلق کو خراب کیا....تم ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہو۔تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں زندہ چھوڑا جائے۔''

''مجھے تمہارے اور شیری کے بارے میں کچھ نہیں پتہ' مگر میں نے اسے بلیک میل نہیں کیا۔میں مزید کوئی صفائی نہیں دوں گا' مگر تم مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتے۔'' وہ سنجیدہ نظریں نوشیرواں پہ جمائے' ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔''یہ زندگی اللہ نے مجھے دی ہے' کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ مجھ سے میری زندگی چھینے....''

اندھیرے پورچ میں' پینٹ کے ڈبوں' بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے ان دونوں لڑکوں کے چہرے اندھیرے میں مدھم سے دکھائی دیتے تھے۔دونوں کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا اور نظریں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

''آج تم مجھے روک نہیں سکتے۔میں نے قسم کھائی تھی تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا۔'' تنفر' حقارت سے اسے دیکھتے شیرو نے دوسرے ہاتھ کے کف سے منہ رگڑا۔سعدی کی آنکھیں سکڑیں۔نظریں اس کے پستول پکڑے ہاتھ تک گئیں۔جو ہلکا سا کپکپا رہا تھا۔

''تم پھر سے ڈرگز لینے لگے ہو نا۔ایسا مت کرو اپنے ساتھ شیرو۔'' اس کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔

''اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔آج تمہاری باتیں مجھ پہ اثر نہیں کر سکتیں۔آج تم نے اپنے ہر عمل پہ مہر لگا دی ہے۔'' تنفر سے اسے دیکھتا وہ غرایا تھا۔''آج تم نے میرے خاندان کو دھوکا دیا ہے' میرے بھائی کو دھوکا دیا ہے' میں تمہیں عبرت کی مثال بناؤں گا۔'' اس کے چہرے پہ پسینہ آ رہا تھا۔

''تم ایک اچھے انسان ہو شیرو۔ تم اپنے بھائی جیسے نہیں ہو۔ تمہارے بھائی نے میرے خاندان کے دو لوگ قتل کروائے ہیں' زمر کی زندگی برباد کی ہے' فارس کو تباہ کیا ہے' میرا ان سے جو بھی مسئلہ ہے تم سے کبھی بھی شکایت نہیں رہی۔ تم اندر سے اچھے ہو۔ تم اپنے والد کی طرح ہو۔ غصے کے تیز ہو' مگر تمہارا دل اچھا ہے۔''

''نام بھی مت لینا میرے باپ کا۔'' اس کی آنکھیں مزید سرخ ہوئیں' آستین سے منہ رگڑا۔

''دیکھو جو صبح میں نے تمہیں کہا' غصے میں کہہ دیا۔ آئی ایم سوری نوشیرواں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' وہ محتاط نظروں سے اس کے پستول کو دیکھتا اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات کا اندھیرا ان دونوں کے گرد مزید مہیب ہوتا جا رہا تھا۔

''تمہاری معذرت کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' نفرت سے اسے گھورتے' شیرو نے دائیں طرف تھوکا۔

''دیکھو' تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ مجھے مارنا چاہتے ہو' مار دو۔ تم اگر مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ گے' میں تب بھی تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ تم پوائنٹ بلینک پہ مجھے شوٹ کر کے چلے جاؤ۔ کوئی یہاں نہیں ہے' مگر شیرو' اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ تمہیں کبھی یہ منظر بھولنے نہیں دے گا۔ قتل بہت بڑا گلٹ ہے' اتنا بوجھ تم پوری زندگی کیسے اٹھاؤ گے؟ دیکھو شیرو تم....'' رسان سے' چوکنے کے انداز میں وہ سمجھاتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔ مگر نوشیرواں نے ٹریگر دبا دیا۔

سائلینسر نے آواز دبالی۔ کلک ہوا۔ ایک گولی شعلے کی لپٹیں لئے نکلی اور سعدی کے پیٹ میں پیوست ہو گئی۔ خون کا فوارہ پھوٹا۔ وہ بے اختیار آگے کو جھکا۔ پیٹ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی' صدمے سے پھیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔

(میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا.... تمہارے ڈیڈ فکرمند تھے نوشیرواں.... تمہیں نیچے جا کر انہیں ان کے بیٹے کی شادی کی مبارکباد دینی چاہیئے۔)

شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے نوشیرواں نے تنے بازو کے ساتھ دوبارہ ٹریگر دبایا۔ دوسری گولی' اس کے کندھے میں جا لگی۔ وہ دہرا ہو کے گھٹنوں کے بل زمین پہ جا لڑھکا۔ درد اتنا شدید تھا' اس کے لبوں سے کراہیں نکلنے لگیں۔

(میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں۔ میں ایک ایسے لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا....)

''آہ.... آہ.... آہ....'' تکلیف سے چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ اور سفید شرٹ بھی سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ نوشیرواں قدم قدم چلتا قریب آیا۔

''میں نے کہا' مجھے شیرو مت کہو۔ میرا نام...'' اس نے بوٹ سے سعدی کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔ وہ کمر کے بل زمین پہ گرا۔ ''....نوشیرواں ہے۔'' حقارت سے کہتے' اس کے ساتھ کھڑے' گردن جھکائے اس نے سعدی کو دیکھا۔ وہ تیزی سے بہتے خون کے ساتھ زمین پہ گرا پڑا تھا۔ بوٹ جہاں پہ لگا تھا' وہاں منہ سے خون رسنے لگا تھا۔ درد بے حد شدید تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ وہ کراہنا چاہ رہا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ سفید پڑتے چہرے اور بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے سر پہ کھڑے نوشیرواں کو دیکھا۔ وہ ہاتھ جھکائے' ابھی تک اس پہ پستول تانے ہوئے تھا۔

(اس سب کے بعد ڈیڈ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟ صرف اپنا بیٹا!)

''یہ میرے باپ کے لئے تھا۔ اور یہ....'' اس نے دوسرے بازو سے منہ رگڑتے اس کی طرف پستول تانے ٹریگر دبایا۔ گولی کہاں لگی' نوشیرواں کی آنکھوں کے آگے منشیات کے باعث بار بار چھاتے غبار نے ٹھیک سے معلوم نہ ہونے دیا۔ سعدی کی ٹانگ خون میں بھیگتی دکھائی دے رہی تھی۔ ''اور یہ شیری کے لئے ہے۔'' اس نے لڑکھڑاتی آواز میں چلا کر کہا۔

نیچے گرے سعدی کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ درد اس کے دل تک کو کاٹ رہا تھا۔ ''اللہ....'' اس سے شدید تکلیف کے

ا ک ہوا انہیں جا رہا تھا۔ ''اللہ تم سے.... حساب لے گا... آہ....'' اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پلٹ کر انوشیرواں دھندلا رہا تھا۔

''مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے۔'' شدید نفرت سے اسے دیکھتے شیرو نے بوٹ سے اس کے سر کو ٹھوکر ماری۔ سعدی کا زخمی چہرہ ایک طرف ڈھلک گیا۔ ''تم اسی قابل ہو!'' اس نے بوٹ سے اس کے وجود کو چند اور ٹھوکریں ماریں۔ کتنی اور کدھر، حساب کتاب کھو گیا تھا۔ بالآخر تھک کر وہ رکا اور ادھر ادھر دیکھا۔

وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون لت پت سعدی گرا پڑا تھا۔ آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کوکین ہرن بنانے لگی تھی۔ وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا' جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے' اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔ اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

تب ہی.....

.....❖❖❖.....

دل تجھ سے بچھڑ کر بھی ..... کہاں جائے گا اے دوست!

فوڈ لی ایور آفٹر کی ساری بتیاں جلی تھیں، باہر ''کلوزڈ'' کا بورڈ لگا تھا۔ اندر تمام میزیں خالی تھیں' سوائے درمیان میں ایک لمبی میز کے جس کے گرد وہ سب منتظر سے بیٹھے تھے۔ فارس خاموشی سے بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر ذرا کی ذرا نگاہ زمر پہ ڈالتا جو سینے پہ بازو لپیٹے' ٹانگ ہلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ اضطراب تھا' اور نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھتی تھیں۔

''آ جائے گا۔ تم بیٹھ جاؤ۔'' بڑے ابا نے نرمی سے پکارا۔ ان کی وہیل چیئر لمبی میز کی سربراہی نشست کی جگہ پہ رکھی تھی۔ فارس ان کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ تھا۔ ایک کرسی (زمر کے لئے) چھوڑ کر حنین بیٹھی تھی۔ وہ بھی گاہے بگاہے وال کلاک کو دیکھتی' پھر چہرے پہ اداسی آ جاتی۔

ندرت' جنید اور سیم کے ساتھ کچن میں تھیں۔ باقی سب کی چھٹی تھی۔ سیم غالباً مدد کروانے کی بجائے کام بڑھا رہا تھا۔

''اتنی دیر ہو گئی' وہ اپنی گاڑی بھی نہیں لے کر گیا یعنی قریب میں کہیں گیا ہے' تو واپس کیوں نہیں آ رہا؟'' وہ بظاہر خود کو پرسکون رکھتے ہوئے بولی تو آواز میں فکرمندی چھلکتی تھی۔

تبھی ریسٹورانٹ کاؤنٹر پہ رکھا فون بجا۔ چیختی ہوئی آواز۔ ٹہلتی زمر رکی' چونک کر فون کی سمت دیکھا۔ کچن سے جنید بھاگتا ہوا آیا' اور تعدی سے ریسیور اٹھا کر بولا۔ ''فوڈ لی ایور آفٹر۔'' دوسری طرف کہے جانے والے الفاظ پہ اس کے تاثرات بدلتے گئے۔

''جی..... جی.... اچھا.... کدھر؟'' نگاہیں اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ وہیں ساکن کھڑی اسے دیکھے گئی۔

''او کے۔'' فون رکھ کر وہ چند لمحے تذبذب سے وہیں کھڑا رہا۔ سب اس کو دیکھنے لگ گئے تھے۔

''کیا ہوا؟'' فارس نے اس کی مسلسل زمر پہ جمی پریشان نگاہیں غور سے دیکھیں۔

''وہ.... میرا بھائی تھا۔ میڈم' میں نے جو کام آپ کو کہا تھا....'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جلدی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ ''آپ میری بات سن لیں گی دو منٹ؟'' وہ قدم قدم چلتی اس کے پیچھے آئی۔ بڑے ابا' حنین اور فارس سب ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔

باہر نکلتے ہی جنید نے ریسٹورانٹ کا شیشے کا دروازہ بند کیا اور بے حد پریشانی سے اس کی طرف گھوما۔ ''وہ.... اندر سعدی بھائی کے دادا.... ان کے سامنے بتانا نہیں چاہیے' اور....''

''سنو! جو بھی تمہارا نام ہے' کس کا فون تھا؟'' اس نے بات کاٹی' بے قرار نگاہیں جنید کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''وہ.... سعدی بھائی... ہسپتال سے فون تھا۔ سعدی بھائی کو گولیاں لگی ہیں' اور...'' شاید وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر زمر گلے پہ ہاتھ رکھتی دو قدم پیچھے ہٹی۔ اس کو سانس نہیں آ رہا تھا۔ چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔

''میری.... میری کار کی چابیاں... اندر سے لاؤ۔'' اس نے پوری بات سنی بھی نہیں۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ قدم اٹھا کہیں رہی تھی' وہ پڑ کہیں رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے بہت سے مناظر گڈمڈ ہونے لگے۔ اطراف کی ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ ہر شے سلوموشن میں ہو رہی تھی۔

وہ کار کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ جنید نے چابی اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ اس نے کی ہول میں چابی ڈالنی چاہی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ لوہا سوراخ کے اندر نہیں جا پا رہا تھا۔ دروازے کے سائیڈ مرر میں اسے فارس باہر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پریشان سی حنہ اس کے پیچھے زینے پھلانگتی آ رہی تھی۔ وہ جنید سے کچھ کہہ رہا تھا' تیز لہجے میں کچھ پوچھ رہا تھا۔ آوازیں زمر تک نہیں آ رہی تھیں۔ وہ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ چابی دروازے میں لگا رہی تھی۔ ریموٹ کے بٹن کو دبانا یاد نہیں رہا تھا۔

''مجھے دیجئے۔ آپ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھئے۔'' وہ عجلت میں کہتے اس کے عقب سے آیا اور چابی اس کے ہاتھ سے لینی چاہی۔ مگر اس نے چابی مٹھی میں دبوچے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو آنکھیں ویران سی تھیں مگر ان میں سامنے کھڑے شخص کے لئے واضح تنفر نظر آتا تھا۔

''آپ اکیلی نہیں جا رہیں، ہم ساتھ جائیں گے' ادھر دیجئے۔'' بہت ضبط سے کہتے فارس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چابی لی' اس کا اپنا چہرہ بھی بے رنگ ہو رہا تھا مگر پریشانی کے تاثرات پہ عجلت کا عنصر نمایاں تھا۔ زمر نے نگاہیں جھکائیں تو دیکھا' چابی سوراخ میں گھساتے اس کے ہاتھوں میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا' اسے کچھ نہیں ہوگا' آپ اندر بیٹھئے۔'' ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے اس نے زمر سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ چند لمحے وہیں' بے دم سے کھڑی رہی۔ حنین جو جنید اور فارس کی بات سننے کے بعد اندر چلی گئی تھی' بھاگتی ہوئی واپس آئی تھی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' فارس کی کھڑکی کے ساتھ کھڑے' وہ رو دینے کو تھی۔ زمر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی فرنٹ سیٹ تک جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ پس منظر میں آوازیں آ رہی تھیں۔

''میں تمہیں کال کر دوں گا' تم اپنی امی اور دادا کے پاس رکو۔''

''میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ بھائی نے کہا ہے انہیں دیر ہو جائے گی' اور ہم مارکیٹ تک جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم ماموں' اگر آپ مجھے نہ لے کر گئے تو میں اتنا چیخوں گی' اتنا چیخوں گی کہ امی اور بڑے ابا کو سب پتہ چل جائے گا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور فقرے کے آخر میں اس نے ہچکی لی تھی۔

''بیٹھو!'' یہ آخری آواز تھی جو زمر نے سنی اور پھر وہ بے دم سی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ کار تیزی سے سڑک پہ دوڑنے لگی تھی' مگر اس کی آنکھوں کے آگے سب کچھ گڈمڈ ہو گیا تھا۔ وہ ادھر نہیں تھی۔ وہ ہاسپٹل میں تھی اور اس کے بھائی نے ایک کمبل میں لپٹا بچہ اس کے بازوؤں میں دیا تھا..... وہ حال اور ماضی کے درمیان کہیں تیر رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کبھی فراز نئے موسموں میں رو دینا ..... بھی تلاش پرانی رقابتیں کرنی!

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں لگے ٹی وی شیلف پہ فیونا کتابیں ترتیب سے رکھ رہی تھی جب اس نے نوشیرواں کو اندر داخل ہوتے